ماہنامہ **محدث** بنارس

www.mohaddis.org

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی

معاون مدیر
مولانا عبدالمتین مدنی

عدد مسلسل: ۴۰۰
جلد: ۳۵ ، شمارہ: ۴

رجب ۱۴۳۸ھ = اپریل ۲۰۱۷ء

اس شمارہ میں

مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالمتین مدنی	۴
۳-افتتاحیہ	معاون مدیر	۶
۴-مصائب کے موقعوں پر ثابت قدمی	ڈاکٹر صالح بن محمد آل طالب	۸
۵-افتاء اور اس کے شروط وآداب	ڈاکٹر فضل الرحمٰن مدنی	۱۶
۶-امہات المؤمنین کی سیرت......	خورشید آفاق	۲۲
۷-زیارت مدینہ منورہ......	عبدالولی عبدالقوی	۲۷
۸-تعلیمی پسماندگی کا ایک علاج...	نسیم اختر عبدالمجید سلفی	۳۱
۹-اس شہر میں ہر شخص پریشان...	طارق اسعد	۳۳
۱۰-طہارت ووضو کے بعض اہم مسائل	محمد عبداللہ عبداللہ سعود	۳۵
۱۱-آداب اختلاف اسلام کی نظر میں	مسعود رانا مفیض الرحمٰن	۳۷
۱۲-عالم اسلام	ظل الرحمٰن سلفی	۴۳
۱۳-اخبار جامعہ	شعبۂ اطلاعات ورابطہ عامہ	۴۴
۱۴-باب الفتاوی	دارالافتاء	۴۶

بدل اشتراک

- ہندوستان: **150** روپئے
- بیرون ممالک: **40** ڈالر
- فی شمارہ: **15** روپئے

اشتراک کے لیے ڈرافٹ مندرجہ ذیل نام سے بنوائیں

Name: **DAR-UT-TALEEF WAT-TARJAMA**
Bank: **ALLAHABAD BANK**
KAMACHHA, VARANASI
A/cNo.2**1044906358**
IFSC Code: ALLA0210547
SWIFT Code: ALLAINBBVAR

مراسلت کا پتہ
Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

نوٹ : ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (سورہ بقرہ:۱۸۳)

تاکہ تم تقوی اختیار کرو

عبداللہ سعود سلفی

رمضان المبارک کے مہینہ کی آمد آمد ہے۔حفاظ کرام نے قرآن کا دور شروع کردیا ہے۔رمضان کے روزے کے بعد عیدالفطر کی تیاری بھی سب کے دماغ پر چھائی ہوئی ہے۔گھر کی خواتین روزہ افطار کے لیے طرح طرح کی پکوان کا پروگرام کا خاکہ تیار کررہی ہیں۔غریب ونادار لوگ رمضان کی برکتوں کے امیدوار ہیں کہ اہل ثروت زکاۃ نکالیں گے۔صدقہ وخیرات کا مہینہ آنے والا ہے۔غریب لوگوں میں کوئی اپنے گھر کی مرمت کا پروگرام بنا رہا ہے،کوئی سوچتا ہے کہ ماہ مبارک میں اتنا پیسہ اکٹھا کرلیا جائے کہ اپنی بچی کی شادی کا انتظام ہوسکے۔اہل مدارس ابھی سے اپنے محصلین کو زکاۃ وصولنے کے لیے آمادہ کررہے ہیں،گرمی کے ایام میں سفر سخت ہوگا،کمیشن طے کیے جارہے ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ محصلین تیار ہوسکیں،وغیرہ وغیرہ۔

اللہ تعالی نے مسلمانوں پر رمضان المبارک کے پورے مہینے کا روزہ فرض کردیا ہے،طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک روزہ دار نہ کھا سکتا ہے نہ پی سکتا ہے،دنیا کے مختلف خطوں میں طلوع وغروب شمس میں کافی فرق ہے،اس سال جنوبی امریکہ میں سب سے کم دس گھنٹہ اور گرین لینڈ میں اکیس گھنٹہ کا روزہ پڑ رہا ہے،مسلمان اس کو پورا کرے گا،یہ طاقت وہمت اللہ تعالی عطا کرتا ہے۔

روزہ کی فرضیت کا مقصد اللہ تعالی نے یہ بتایا کہ تم متقی بن سکو۔اور یہ تسلی بھی دی کہ صرف تم پر ہی نہیں بلکہ تم سے پہلے لوگوں پر بھی فرض کیا گیا تھا۔سورہ بقرہ:۱۸۳ میں فرضیت صیام کا بیان اس طرح آیا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ اے ایمان والو!تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے،تاکہ تم تقوی اختیار کرو۔یعنی تمہارے اندر تقوی کی صفت پیدا ہوسکے۔

اللہ کے رسول محمد ﷺ نے فرمایا: "من لم يدع قول الزور والعمل به فليس لله حاجة في أن يدع طعامه وشرابه" (صحیح بخاری) جو شخص جھوٹ کہنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑ دے تو ایسے شخص کے بھوکا پیاسا رہنے کی اللہ کو کوئی ضرورت نہیں۔

روزہ رکھنے اور اس کی شدت برداشت کرنے کا ثواب اللہ تعالی اپنی رحمت وجود وسخا سے خصوصی عطا فرمائے گا۔ ہر نیکی کا ثواب دس سے سات سو گنا تک ملتا ہے۔اس سے بڑھ کر روزہ کا ثواب ہے۔ یہ ثواب کا مستحق وہی ہوگا جو روزہ کی شرائط کو پورا کرے گا۔

اللہ رب العالمین نے بھی رمضان کے مہینہ کے لیے خصوصی انتظام فرمایا ہے تاکہ اس کے بندے برضا وخوشی اللہ کے اس فریضہ کو پورا کرسکیں۔ رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ "إذا دخل شهر رمضان فتحت أبواب السماء وغلقت أبواب جهنم وسلسلت الشياطين" (صحیح بخاری:) جب رمضان کا مہینہ داخل ہوتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں اور شیاطین جکڑ دیئے جاتے ہیں۔

ادھر رمضان کا آغاز ہوا ادھر فرشتے اللہ کے حکم سے ندا دینے لگتے ہیں: يا باغي الخير أقبل اے بھلائی کے طلب گار آگے بڑھو۔ دوسرا فرشتہ کہتا ہے: يا باغي الشر أقصر اے شر وفساد کے دلدادہ بس کرو۔اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بے نمازی نمازی بن جاتا ہے، گھر قرآن کی تلاوت سے پرنور ہوجاتے ہیں، گالیاں بکنے والی زبانیں گنگ ہوجاتی ہیں، فحش کلام وگانا سننے والے کان اپنے کانوں کو بند کرلیتے ہیں۔ ہر سو تزکیہ ونیکی کا ماحول ہوتا ہے، مسجدیں آباد ہوجاتی ہیں، مناجات ودعا میں ہاتھ اٹھ جاتے ہیں، غفلت میں سوئی ہوئی آنکھیں آنسو بہانے لگتی ہیں، جس پاکٹ سے ایک پیسہ نہیں نکلتا وہ غریبوں اور حق داروں کو ڈھونڈنے لگتا ہے، اور جب بندہ اللہ کی طرف چل کر جاتا ہے تو اللہ بھی اپنی نوازشات اور رحمتوں کی بارش تیز کردیتا ہے، اللہ کے رسول محمد ﷺ نے بتایا ہے جو رمضان کے روزے اور قیام اللیل ایمان واحتساب کے ساتھ ادا کرے اس کے پرانے سارے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔ ولله عتقاء من النار۔ اور کتنے وہ جو اللہ والے بن جاتے ہیں تو اللہ ان کو جہنم سے آزادی کا پروانہ عطا فرمادیتا ہے۔کاش مسلمان پورے سال اللہ والے بن جائیں تو اللہ کی رحمتیں ان پر اسی طرح نازل ہوتی رہیں۔

☆☆☆

درس حدیث

جنازہ کے بعض احکام

مولانا عبدالمتین مدنی

عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: اَلرَّاكِبُ خَلْفَ الْجَنَازَةِ وَالْمَاشِي حَيْثُ شَاءَ مِنْهَا وَالطِّفْلُ يُصَلّٰى عَلَيْهِ. (سنن الترمذی:۱۰۳۱،صحیح سنن الترمذی:۸۲۳)

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: سوار جنازہ کے پیچھے رہے گا اور پیدل چلنے والا جہاں چاہے اور بچہ کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔

احترام انسانیت اسلام کی بنیادی تعلیم ہے اور اسلام انسان کا احترام کیوں نہ کرے جبکہ یہ انسانیت کا مذہب ہے۔ اسلام میں انسان بحالت حیات محترم ہے اور وفات کے بعد بھی اور جب وہ دین حق کا پیروکار ہو تو اس کا احترام دو چند ہو جاتا ہے۔ وہ بچہ کی صورت میں دنیا میں آتا ہے تو اس کا اچھا نام رکھا جاتا ہے تاکہ اچھے نام سے پکار کر اس کا احترام کیا جائے اور جب وہ اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو اس موقع پر بھی اس کے احترام کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ اقرباء و متعلقین تجہیز و تکفین کی شرعی ذمہ داری کو بحسن وخوبی ادا کرتے ہیں، غسل دے کر اسے صاف ستھرا کفن پہناتے ہیں، پھر نماز جنازہ ادا کی جاتی ہے اور قبرستان لے جایا جاتا ہے۔

جنازہ کے ساتھ پیدل جایا جائے یا سواری پر جنازہ آگے ہو یا چلنے والوں کے پیچھے۔ مذکورہ بالا حدیث میں اسے بیان کیا گیا ہے۔ اگر قبرستان دور ہو یا ساتھ چلنے والا مریض یا بوڑھا ہو تو سواری پر قبرستان جانے میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے، لیکن اگر کوئی مجبوری نہ ہو تو جنازہ کے ساتھ پیدل چلنا اچھا ہے، سنن ابوداود میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ ایک جنازہ میں شریک تھے، آپ کے لیے سواری لائی گئی لیکن آپ اس پر سوار نہ ہوئے، جب آپ تدفین سے فارغ ہو گئے تو دوبارہ سواری لائی گئی، اب آپ سوار ہو گئے، آپ سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا: ان الملائكة كانت تمشي فلم أكن أركب وهم يمشون فلما ذهبوا ركبت. (سنن ابوداود) فرشتے بھی جنازہ کے ساتھ چل رہے تھے تو میں کیسے سوار ہوتا جبکہ وہ چل رہے ہوں، جب وہ لوٹ گئے تب میں سوار ہو گیا۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی جنازہ کے ساتھ پیدل قبرستان جاتا ہے تو وہ بلا کراہت سواری پر لوٹ سکتا ہے، لیکن اگر کوئی جنازہ کے ساتھ سواری پر بھی جائے تو اس کی سواری جنازہ کے پیچھے رہے گی جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث میں بتلایا گیا ہے تاکہ جنازہ لے کر چلنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ اور جو لوگ جنازہ کے ساتھ چل رہے ہیں وہ جنازہ کے آگے، پیچھے، دائیں اور بائیں چل سکتے ہیں، جیسا کہ اوپر ذکر کی گئی حدیث اور بعض دوسری روایتوں و آثار سے معلوم ہوتا ہے۔

اگر میت نوزائدہ بچہ ہوتو اس کی نماز جنازہ ادا کرنے کا بھی اس حدیث میں حکم دیا گیا ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع حدیث اس کے خلاف وارد ہے: "الطفل لا يصلى عليه ولا يرث ولا يورث حتى يستهل" (سنن ترمذی:۱۰۳۲، صحیح سنن ترمذی:۸۲۴) بچہ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، نہ یہ وارث ہوگا اور نہ کوئی اس کا وارث، جب تک کہ وہ (پیدائش کے وقت) آواز نہ کرے۔یعنی جب اس بات کی واضح علامت موجود ہو کہ وہ زندہ پیدا ہوا۔

دونوں حدیثوں کے متعارض ہونے کی وجہ سے اس مسئلہ میں ائمہ کرام کی رائے مختلف ہے۔امام مالک، امام شافعی اور احناف کے نزدیک اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، جبکہ امام احمد واسحاق کے نزدیک اس کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی، وہ کہتے ہیں: "كل ما نفخ فيه الروح وتمت له أربعة أشهر وعشر صلى عليه" (جائزۃ الاحوذی:۳۲۰/۲) ہر وہ بچہ جس میں روح پھونک دی گئی اور وہ چار مہینہ دس دن کا ہوکر وفات پایا تو اس کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔امام شوکانی رقمطراز ہیں: وظاهر حديث الاستهلال انه لا يصلى عليه وهو الحق لأن الاستهلال يدل على وجود الحياة قبل خروج السقط كما يدل على وجودها بعده فاعتبار الاستهلال من الشارع دليل على أن الحياة بعد الخروج من البطن معتبرة في مشروعية الصلاة على الطفل وانه لا يكتفى بمجرد العلم بحياته في البطن فقط. (نیل الاوطار:۵۰/۴)

حدیث استہلال کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی نماز جنازہ نہیں ادا کی جائے گی اور یہی بات درست ہے۔ اس لیے کہ استہلال حمل کے گرنے سے پہلے اس کے زندگی پر دلالت کرتا ہے، جس طرح کہ اس کے ساقط ہونے کے بعد اس کی زندگی کو بتلاتا ہے، اس لیے شارع کی طرف سے استہلال کو معتبر ماننا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی نماز جنازہ کے لیے ماں کے بطن سے نکلنے کے بعد کی زندگی کا اعتبار ہے، صرف ماں کے بطن میں زندگی کا علم کافی نہیں۔

امام شوکانی کا یہ استدلال وجیہ ہے اور اس کے نظائر بھی موجود ہیں کہ شرعی احکام میں اعتبار ظاہری علامتوں کا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ وہ نوزائدہ بچہ جو پیدائش کے وقت زندہ نہ تھا اور ماں کے بطن میں چار ماہ دس دن گذرنے کے بعد ساقط ہوا اگر اس کی نماز جنازہ پڑھ لی جائے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے، لیکن اگر اسے نماز جنازہ پڑھے بغیر دفن کردیا گیا تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔دونوں عمل کے دلائل موجود ہیں، اگرچہ دوسری صورت جس کی طرف جمہور گئے ہیں زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے۔واللہ اعلم عند اللہ۔

☆☆☆

افتتاحیہ

وقت کا تقاضا

معاون مدیر

امن وامان اللہ کی ایک عظیم نعمت ہے اس نعمت کی قدر کرنا اوراس کو قائم رکھنے کے لئے جدو جہد کرنا ہم سب کا مشترکہ فریضہ ہے، اس نعمت کی بقا سے بزم جہاں کی رونق ہے، کاروبار زندگی کی روانی ہے، ملک کا استحکام اوراس کی ترقی ہے اس لئے حکومتیں نظم ونسق کی بحالی اور امن وامان کے قیام کو اولین ترجیح دیتی ہیں، اس کے لئے بڑا تنظیمی ڈھانچہ بناتی ہیں اوراس پر زر کثیر صرف کرتی ہیں۔ اگر کوئی شر پسند امن وسکون کے لئے خطرہ بننے لگے یا اپنی مشتبہ سرگرمی سے اسے نقصان پہنچانے کے درپہ ہو تو فوری طور پر اسے گرفت میں لیتی اور ملک کو اس کے ناپاک منصوبوں اور تخریبی سرگرمیوں سے محفوظ رکھتی ہیں۔

الحمد للہ ہم ایک جمہوری ملک میں رہتے ہیں، ملک کے آئین نے اپنے تمام باشندوں کو یکساں طور پر عزت وآزادی کے ساتھ جینے کا حق دیا ہے اوراس بات کی تاکید بھی کی ہے کہ اس حق کے استعمال میں دیگر برادران وطن کی رعایت اور احترام کو ملحوظ رکھا جائے، ایک محبّ وطن اور امن پسند شہری ہونے کی حیثیت سے وطن کے تئیں ہماری جو ذمہ داری بنتی ہے ہم اسے جانتے اور نبھاتے ہیں، امن وامان کے قیام کے لئے حکومت کے ساتھ مخلصانہ تعاون کرتے ہیں، کسی ایسی سرگرمی کی ہم قطعاً حمایت نہیں کرتے، چہ جائے کہ ہم اس کا حصہ بنیں۔ جو امن وامان کو زک پہنچائے یا ملک اوراس کے باشندوں کے لئے خطرہ بنے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ آج وطن عزیز میں بہت بڑے پیمانے پر سوشل میڈیا کا غلط استعمال کیا جارہا ہے، ایک طرف اس کے ذریعہ بے حیائی اور فحاشی عام کی جارہی ہے، حیا وشرم کا جنازہ اٹھ رہا ہے، مشرقی اقدار پامال ہورہی ہیں، غیرت مر رہی ہے اور بے غیرتی عام ہورہی ہے جس کی وجہ سے معاشرتی مسائل پیدا ہورہے ہیں اور بسا اوقات حکومت کو بھی سدھار کے لئے سخت کارروائی کرنی پڑرہی ہے تو دوسری طرف نادانوں کی ایک بڑی تعداد نے ایسی خبروں کو وائرل کرنا اپنا مشغلہ بنا رکھا ہے جو فرقہ وارانہ اشتعال انگیزی اور حکومت مخالف پروپیگنڈہ پر مبنی ہوتی ہیں اکثر وبیشتر حقیقت سے ان کا دور کا واسطہ بھی نہیں ہوتا بلکہ کسی خاص مقصد کے تحت اسے پھیلایا جاتا ہے اور پھر اس کے ردعمل کا انتظار کیا جاتا ہے۔ اگر بالفرض وہ حقائق پر مبنی ہوں تو دانشمندی اور حب الوطنی کا تقاضا یہ نہیں کہ عوام میں ایسی باتیں عام کی جائیں جو انہیں اشتعال دلائے، ردعمل پر آمادہ کرے، امن وامان کو نقصان پہنچائے، ملک اور ارباب حکومت کی شبیہ کو خراب کرے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ملک کی بڑی سیاسی پارٹیاں الگ الگ نظریے کی حامل ہیں، الیکشن کے موقع پر وہ اس کا پرچار کرتی ہیں اور دوسری سیاسی پارٹیوں پر برتری جتلانے کے لئے ان کے خلاف زہر اگلتی ہیں، ان کے لیڈران پر کیچڑ اچھالتی ہیں۔ گویا الیکشن کے موقع پر حریفانہ چپقلش کی وجہ سے اہل سیاست کی جو تصویر ذہن ودماغ کے خانوں میں اترتی ہے وہ ایک عرصہ تک دھندلی نہیں ہوتی۔ اس سے عوام کی نظر میں ارباب سیاست کی امیج بگڑتی ہے اور ان کا وقار جاتا رہتا ہے، ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض سیاستدانوں کی زبان اور ان کا کردار خود ان کی ساخت کو نقصان پہنچاتا ہے، اگر وہ برسر اقتدار آ کر کسی عہدہ ومنصب پر فائز بھی ہو جائیں تب بھی وہ اپنی سابقہ روش سے باز نہیں آتے اور عوام بھی ان کا ماضی نہیں بھولتی، ان کی عزت کرنے کے بجائے ان کو نشانہ بنانے سے نہیں چوکتی، اس سے ملک کی شبیہ بیرون ملک میں بگڑتی ہے۔

ہم صوبائی ومرکزی حکومت سے امید رکھتے ہیں کہ وہ حکومت کی شبیہ بہتر سے بہتر بنائے گی، آئین کی بالادستی قائم کرے گی، سب کی نمائندہ بن کر وکاس کے لئے کام کرے گی، نفرت اور فرقہ پرستی کے بجائے محبت ویگانگت کا ثبوت پیش کرے گی، آئین کی حفاظت کے جس عہد کو لے کر اس نے اقتدار سنبھالا ہے اس عہد پر قائم رہے گی۔ اس سے عوام کا اعتماد بحال ہوگا اور ملک کے وقار میں اضافہ ہوگا۔

ایسے سیاست داں جو نفرت کی راہوں سے گذر کر اقتدار کی منزل تک پہنچتے ہیں انہیں بلاتفریق مذہب ذمہ دار عوامی نمائندہ کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دینی ہوگی، تب وہ عوام کے دل میں جگہ بنائیں گے اور انہیں عزت واحترام حاصل ہوگا۔

زبان وقلم کے امین صحافی ومقررین حضرات بھی عوام کی صحیح رہنمائی کریں، حکومت کے تئیں ان کو ان کی ذمہ داریاں بتلائیں، قانون کی بالادستی، نظم ونسق کی پابندی سکھلائیں، ملک سے محبت اور ان کی خدمت کا حوصلہ ان کے دلوں میں پیدا کریں اور آنکھ موند کر نفرت کرنے کے بجائے دل کو کشادہ رکھنے کا ہنر عوام کو سکھائیں۔ یہی سچی جمہوریت ہے اور یہی وقت کا تقاضا ہے۔

☆☆☆

مصائب کے موقعوں پر ثابت قدمی

خطبہ حرم بتاریخ: ۷/۱/۱۴۳۶ھ = ۳۱/۱۰/۲۰۱۴ء

خطبہ: ڈاکٹر صالح بن محمد آل طالب
امام وخطیب مسجد حرام وجج جنرل کورٹ، مکہ مکرمہ

ترجمہ: ڈاکٹر عبدالمنان محمد شفیق
مدرس ام القری یونیورسٹی، مکہ مکرمہ

بیشک ہر قسم کی حمد اللہ ہی کے لئے ہے۔ ہم اسی کی حمد بیان کرتے ہیں۔ اسی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ اسی سے مغفرت چاہتے ہیں۔ ہم اللہ کی بارگاہ میں اپنے نفسوں کی برائیوں اور اپنی بداعمالیوں سے پناہ طلب کرتے ہیں۔ جس کو اللہ ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں ہے اور جس کو گمراہ کردے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ ماسوا اللہ کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اللہ کی رحمت، سلامتی اور برکت نازل ہو آپ پر، آپ کے اہل وعیال پر، آپ کے صحابیوں پر، تابعین پر اور تا قیامت حق کے ساتھ ان کی اتباع کرنے والوں پر۔

أما بعد:

بلاشبہ سب سے بہتر کلام اللہ کی کتاب ہے۔ اور سب سے بہتر طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے۔ اور بدترین امر دین میں نئی ایجاد کردہ چیزیں ہیں۔ ہر نئی ایجاد کردہ چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اے لوگو! میں خود کو اور آپ کو اس چیز کی نصیحت کرتا ہوں جس کی نصیحت اللہ نے گذشتہ قوموں کو کی اور موجودہ امت کو بھی۔ اللہ کا فرمان ہے: {وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوا اللَّهَ} (نساء: ۱۳۱) تم سے پہلے جن کو ہم نے کتاب دی تھی انہیں بھی یہی نصیحت کی تھی اور اب تم کو بھی یہی نصیحت کرتے ہیں کہ اللہ کا تقوی اختیار کرو۔ لہذا جس نے اللہ کا تقوی اختیار کیا وہ نجات پا گیا، اور جو خبردار رہا وہ محفوظ ہوگیا، جو غافل رہا وہ نادم ہوا۔ عنقریب لوگوں کو زندہ کیا جائیگا۔ میزان نصب کئے جائیں گے۔ اس لئے اپنا سامان تیار کرلو۔ فرمان الہی ہے: {وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ} (بقرہ: ۲۸۱) اس دن سے ڈرو جس دن تم سب اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

مسلمانو! جب اللہ تعالی کا ارادہ ہوا کہ اس باعظمت دین کا سورج اس ملک سے طلوع اور روشن ہو، اور اس نے لکھ دیا کہ یہ رات ودن کی حد کو پہونچے۔ یقینا اسی وقت سے پاک ذات نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری لے لی۔ اور اس نے فیصلہ کردیا کہ اس امت کا ایک گروہ ہمیشہ غالب رہے گا اسے کسی کی مخالفت اور کنارہ کشی سے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ اور اس

جماعت والے وہ ہیں جوانہیں چیزوں پر عمل پیرا ہیں جس پر نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب تھے -اوراللہ تعالی نے اس عظیم دین کے پیروکاروں پر آزمائش وابتلاء کی سنت جاری کی جو رسول کریم ﷺ اور آپ کے محترم صحابہ کرام سے شروع ہوکر تاقیامت ان کے متبعین پر جاری رہے گی۔تاکہ اللہ تعالی مومنوں کو جدا کردے اور سچوں کو جان لے۔اور جب جب زمانہ نبوت کے بعد کچھ دہائیاں گذری ہیں تو امت کے باہر یا اندر سے دشمن اور منافق ظاہر ہوئے ہیں لیکن اللہ تعالی کچھ ایسے علماء اور حاکموں کا انتظام کرتا رہا ہے، جو اس کی دین کی طرف سے مدافعت کرتے ہیں،لوگوں کو حق دکھاتے ہیں- ان کو صاف خالص گھاٹ کی طرف لوٹاتے ہیں ، اور ان کو قرآن وسنت کی پابندی کرواتے ہیں۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: {وَالَّذِينَ يُمَسِّكُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُواْ الصَّلاَةَ إِنَّا لاَ نُضِيعُ أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ}(اعراف: ۱۷۰)جولوگ کتاب کی پابندی کرتے ہیں اور جنہوں نے نماز قائم کی ،یقینا ایسے نیک کردارلوگوں کا اجر ہم ضائع نہیں کریں گے۔

موجودہ اورگذشتہ صدی میں امت کو اس کے دین اور قوت کو بہت نقصانات کا سامنا کرنا پڑا۔اور یہ اللہ کی رحمت ہے کہ اس نے جزیرہ عرب ،نزولوحی کی جگہ اور رسول ﷺ کے ہجرت گاہ کی حفاظت فرمائی، جہاں عالمی جھگڑوں اور دنیاوی جنگوں کے مابین ایک باوقار حکومت وجود میں آئی جس کو اللہ نے جنگوں کے فتنوں ،فکری اور گروہی کشمکش سے نجات دی۔اور جس نے خود کے لئے دین ودنیا میں ایک درمیانہ منہج اختیار کیا۔لہذا اس نے اپنا دستور قرآن اور حدیث کو قرار دیا، بدعات اور خرافات سے کنارہ کشی اختیار کی،لوگوں کے لئے خالص دین کو ظاہر کیا۔اور نہ ہی اس کو اپنے دین پر مضبوطی سے جمے رہنے نے اپنی دنیا کی سیاست، اقتصاد،علوم ،صنعت وحرفت ،فکر اور گفت وشنید میں حصہ لینے سے روکا۔تو اللہ نے اس کو اقتدار عطا کی ۔ زمین کے خزانوں کو اس کے لئے کھول دیا اور اسے مالدار کردیا۔لہذا وہ بھی مظلوم کے لیے تقویت، کمزور کے لئے مدد،عمل، تجارت اور طلب رزق کا مرکز بنی۔

اس کی بھلائیاں ہر محتاج ملک وفرد کو پہونچیں ۔اور اس کا انکار صرف وہی کرے گا جو حاسد ہے۔اور اس ملک کو یہ مقام صرف اللہ تعالی کی توفیق سے حاصل ہوا کیونکہ اس نے خالص توحید اپنائی۔عظمت والی شریعت کی تنفیذ کی۔اللہ کے دین میں عدل وحق کے ساتھ اعتدال کا راستہ اپنایا۔صحیح اسلام کے اقدار واصولوں کی پابندی کی یہاں تک کہ اسے تمام مسلمانوں کا احترام حاصل ہوا اور انہوں نے اس کی قیادت کو سراہا۔ساتھ ہی پوری دنیا کے اکثر مسلمانوں میں بہت خیر موجود ہے۔وہ اس کی تائید وحمایت کرتے ہیں۔اور جب بھی حادثات رونما ہوتے ہیں تو مملکت حق وعدل پر قائم اصول واقدار ہیں جن میں اس کی تائید وحمایت اس کے سگے برادران اور مخلص خلفا کرتے ہیں۔

مسلمانو! ہمیشہ سے اللہ تعالی کی سنت حق وباطل کے مابین کشمکش ،انسانوں کے درمیان اختلاف اور لڑائی جھگڑا اور شر وخیر میں مبتلا کرنا رہا ہے،لیکن اللہ تعالی نے اپنے ولیوں کو ان کے حوالہ نہیں کردیا ہے بلکہ ان کو تعلیم عطا کی ہے۔ان کی رہنمائی کی ہے- اور ان کے سامنے کتاب رکھ دی ہے جس کے طریقہ سے ہدایت طلب کرتے ہیں اور جس کے نور سے فائدہ اٹھاتے

ہیں ضروری ہے کہ یہی ان کا ملجا وماوی ہو۔ اور اللہ کے رسول کی سنت ان کا قدوہ ونمونہ ہو۔ خواہ ان کی بلائیں کہیں بھی ہوں اور ان کی پریشانیاں وتکلیفیں کیسی بھی ہوں۔

پوری دنیا کے مسلمانو! تمہارے لئے اللہ کی کتاب سے یہ ایک مشعل اور رسول اللہ ﷺ وآپ کے صحابیوں کے ساتھ پیش آنے والے اس واقعہ میں ایک درس ہے جس میں اہل ایمان کے لئے ثابت قدمی، زخمیوں کے لئے تعزیت اور ثابت قدم رہنے والوں کے لئے تقویت ہے۔ بنابریں سورہ آل عمران میں قرآنی آیات نے ہمارے نبی ﷺ اور آپ کے صحابیوں کی ان کی مشرک قوم کے ساتھ جد وجہد، مسلمانوں کا بدر میں غلبہ حاصل کرنا، احد میں ان کا شکست کھا جانا، آزمائشیں اور مشقتیں، مسلمانوں اور شہداء کے حالات، منافقوں اور دشمنوں کے رویے کو پیش کیا ہے۔ یہ یہ آیات ایک لمبی سرگذشت عبرتوں ونصیحتوں کے ساتھ پیش کرتی ہیں۔ واقعات کا سبب بیان کرتی ہیں۔ قوانین ربانیہ کی تصویر کشی کرتی ہیں۔ اسباب وانجام میں غور وفکر کی دعوت دیتی ہیں۔ اصول ومواقف میں یقین اور ثابت قدمی پر ابھارتی ہیں۔ اصول کے باب میں یہ آیت ہے: {فَإِنْ حَآجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ} (آل عمران: ۲۰) اب اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑا کریں تو ان سے کہو میں نے اور میرے پیروؤں نے تو اللہ کے آگے سر تسلیم خم کر دیا ہے۔

مواقف کے متعلق یہ آیت ہے: {وَلاَ تَهِنُوا وَلاَ تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ} (آل عمران: ۱۳۹) دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو تم ہی غالب رہوگے اگر تم مومن ہو۔

جبکہ یہ آیت زخمی مومنوں کی تعزیت میں ہے: {إِن يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ وَتِلْكَ الأيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُواْ وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاء وَاللّٰهُ لاَ يُحِبُّ الظَّالِمِينَ، وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُواْ وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ} (آل عمران: ۱۴۰-۱۴۱) اس وقت اگر تمہیں زخم لگا ہے تو اس سے پہلے ایسا ہی زخم تمہارے مخالف فریق کو بھی لگ چکا ہے۔ یہ تو زمانہ کے نشیب وفراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔ (شکست اُحد) اس لئے تھی کہ اللہ تعالی ایمان والوں کو جان لے اور تم میں سے بعض کو شہادت کا درجہ عطا فرمائے۔ اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ہے۔ (یہ وجہ بھی تھی) کہ اللہ تعالی ایمان والوں کو بالکل الگ کر دے اور کافروں کو مٹا دے۔ کیونکہ باطل کا کوئی مستقبل نہیں ہوتا ہے۔

ایسی پریشانیاں اور آزمائشیں ضروری ہیں جو دشمن کو دوست سے اجاگر کر دیں، خود غرضوں ومفادات پرستوں کو الگ کر دیں۔ اہل اخلاص وصدق کو باقی رکھیں جو اپنے نبی کی مصیبت وتکلیف میں مدد کرتے ہیں۔ اور اپنے رب کی پناہ میں آنا چاہتے ہیں خواہ کتنے بھی برے حالات ہوں۔

مسلمانو! احد میں شکست کے بعد مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ بھی واقع ہوا اس کا تذکرہ اللہ نے اس سورہ میں کیا ہے۔ اسی وجہ سے اس نے اپنے اولیاء کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: {الَّذِينَ اسْتَجَابُواْ لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ مِن بَعْدِ مَآ

أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ﴾ (آل عمران: ۱۷۲) جنھوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر لبیک کہا۔اور اس واقعہ کا نام غزوہ حمراء الاسد ہے، جس میں سیاست، غلبہ اور فدائیت کا درس ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کو احد میں زخم لگا۔ان کو شکست ہوئی۔ستر صحابہ کرام شہید ہوئے۔ مشرکین واپس ہوئے اور روحاء میں جا کے قیام کیا۔جس سے نبی کریم کو یہ خوف لاحق ہوا کہ کہیں مشرکین مسلمانوں کی کمزوری کا فائدہ اٹھا کر مدینہ اور اس میں موجود مال واولاد پر دوبارہ حملہ نہ کریں۔

راوی کا بیان ہے: جب رسول اللہ ﷺ نے جنگ احد کے بعد صبح کی نماز ادا کی اور آپ کے ساتھ اوس وخزرج کے سردار تھے جنھوں نے مسجد ہی میں رات گذاری تھی۔لہذا جب اللہ کے رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز سے واپس ہوئے تو آپ نے حضرت بلال کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ اپنے دشمن کا پیچھا کرو اور ہمارے ساتھ صرف وہی جائے گا جس نے کل لڑائی میں حصہ لیا ہے۔راوی کا کہنا ہے کہ یہ سن کر حضرت سعد بن معاذ اپنے گھر کے لئے نکل پڑے تاکہ اپنی قوم کو روانگی کا حکم دیں۔راوی کا کہنا ہے کہ عام طور سے لوگ زخمی تھے۔بنوعبد الِاشہل کے عام لوگ بلکہ سبھی زخمی تھے۔چنانچہ سعد بن معاذ آئے اور انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہیں اپنے دشمن کا پیچھا کرنے کا حکم دیا ہے۔راوی کا بیان ہے کہ یہ سن کر حضرت اسید بن حضیر نے فرمایا جبکہ ان کے بدن پر سات زخم تھے اور وہ ان کا علاج کرنا چاہتے تھے کہ اللہ واس کے رسول کی بات مانتے ہیں اور اطاعت کرتے ہیں۔لہذا انھوں نے ہتھیار اٹھایا اور اپنے زخم کی مرہم پٹی کا ارادہ نہیں کیا اور رسول اللہ ﷺ سے جا ملے۔اسی طرح حضرت سعد بن عبادہ اپنی قوم بنوساعدہ کے پاس تشریف لائے اور ان کو کوچ کرنے کا حکم دیا لہذا وہ لوگ بھی ہتھیار پہن کر نبی کریم ﷺ سے جا ملے۔اور حضرت ابوقتادہ اہل خربی کے پاس گئے درانحالیکہ وہ اپنے زخموں کا علاج کر رہے تھے اور ان سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا منادی تمہیں اپنے دشمنوں کا پیچھا کرنے کا حکم دے رہا ہے۔یہ سنتے ہی وہ اپنے ہتھیاروں پر جھپٹ پڑے اور اپنے زخموں کی کوئی مرہم پٹی نہیں کی۔چنانچہ بنوسلمہ سے چالیس زخمی روانہ ہوئے جن میں طفیل بن نعمان کو ۱۳ زخم تھے۔خراش بن صمہ کو دس زخم تھے۔کعب بن مالک کو 13 سے 19 کے درمیان زخم تھے۔قطبہ بن عامر کو 9 زخم تھے۔یہاں تک کہ وہ سب لوگ راس الثنیہ کے قریب واقع ابوعنبہ کنواں کے پاس نبی کریم ﷺ سے جا ملے۔وہ سب اسلحہ سے لیس تھے اور رسول اللہ ﷺ کے لئے صف بہ صف کھڑے ہوئے۔چنانچہ جب نبی ﷺ نے ان کو دیکھا اور زخم ان کے اندر پھیلے ہوئے تھے تو فرمایا: کہ اے اللہ تو بنوسلمہ پر رحم فرما۔

واقدی کہتے ہیں کہ مجھ سے عتبہ بن جبیر نے اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے حوالے سے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ عبداللہ ورافع بن سہل بن عبدالاشہل احد سے واپس ہوئے۔وہ دونوں بہت زیادہ زخمی تھے۔ان میں عبداللہ زخم سے زیادہ بوجھل تھے۔لہذا جب لوگوں نے صبح کی اور حضرت سعد بن معاذ نے ان کو خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنے دشمنوں کے پیچھا کرنے کا حکم دیا ہے۔تو ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا اللہ کی قسم اگر ہم نے کوئی غزوہ رسول اللہ کے ساتھ چھوڑ دیا تو یہ دھوکہ ہے۔اللہ کی قسم ہمارے پاس سواری کا کوئی جانور نہیں ہے اور ہم نہیں جانتے کہ کیا کریں۔یہ سن کر عبداللہ نے کہا

کہ ہمارے ساتھ چلو، رافع نے جواب دیا کہ نہیں، اللہ کی قسم میں نہیں چل سکتا ہوں۔ ان کے بھائی نے کہا: ساتھ ساتھ میانہ روی سے چلتے ہیں۔ چنانچہ وہ دونوں پاؤں گھسیٹتے ہوئے نکلے۔

لیکن رافع کمزور پڑ گئے۔ لھذا عبداللہ ان کو اپنی پشت پر اٹھا کے ایک مشکل چڑھائی پر چلتے اور دوسری مشکل چڑھائی پر پیدل چلتے تھے۔ یہاں تک کہ عشاء کے وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس پہونچے۔ اس رات حضرت عباد بن بشر آپ کی نگرانی پر تھے۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ کس چیز نے تم دونوں کو روکے رکھا؟ تو انھوں نے آپ کو اپنی بیماری کے بارے میں بتلایا۔ چنانچہ آپ نے ان کے لیے خیر کی دعا کی۔ اور فرمایا کہ اگر تم کو ایک طویل مدت ملی تو تم کو گھوڑے، خچر اور اونٹ کی سواری حاصل ہوگی۔

اللہ کے رسول ﷺ نکلے جبکہ آپ کا چہرہ دو زرہ کے اثر سے زخمی تھا۔ آپ کی پیشانی کا اوپری حصہ مجروح تھا، آپ کے رباعی دانت ٹوٹ گئے تھے۔ آپ کا ہونٹ اندر سے زخمی تھا۔ آپ کا دایاں کندھا ابن قمیئہ کے وار سے کمزور تھا اور آپ کے دونوں گھٹنوں میں خراش تھا۔ اس حالت میں رسول اللہ ﷺ مسجد میں داخل ہوئے۔ دو رکعت نماز ادا کی۔ اسی درمیان لوگ اکٹھا ہو چکے تھے۔ عوالی کے لوگ بھی آ چکے تھے۔ کیونکہ ان کو بھی مدد کی پکار پہنچ چکی تھی پھر آپ نے دو رکعت پڑھی۔ بعد ازاں آپ نے اپنے گھوڑے کو مسجد کے دروازہ پر لانے کو کہا، اور آپ کے گھوڑے کو حضرت طلحہ نے پکڑا کیونکہ انھوں نے منادی کو اعلان کرتے ہوئے سنا تھا۔ لہذا وہ نکل کر دیکھنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ کب روانہ ہوتے ہیں؟ اس بیچ اچانک رسول اللہ ﷺ نکلے۔ آپ کے اوپر زرہ اور خود تھا۔ صرف آپ کی دونوں آنکھیں نظر آتی تھیں۔ آپ نے پوچھا: اے طلحہ تمہارا اسلحہ کہاں ہے؟ میں نے جواب دیا قریب ہی ہے۔ طلحہ کہتے ہیں میں وہاں سے دوڑتے ہوئے نکلا، اپنی زرہ پہنی اور اپنی ڈھال اپنے سینہ پر ڈالا درانحالیکہ میرے جسم پر 9 زخم تھے۔ اور میں اپنے زخم سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے زخم کے بارے میں فکر مند تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ حضرت طلحہ کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا کہ اس وقت قوم کہاں پر ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ وہ لوگ سیالہ میں ہیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرا یہی خیال تھا۔ لیکن اب اے طلحہ وہ لوگ کل کی طرح ہم سب کو ہرگز نقصان نہیں پہونچا پائیں گے یہاں تک کہ اللہ ہمارے لیے مکہ فتح کر دے۔

رسول اللہ اپنے صحابیوں کے ساتھ روانہ ہوئے یہاں تک کہ حمراء الاسد میں پڑاؤ ڈالا، حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ ہمارا عام توشہ کھجور تھا۔ حضرت سعد بن عبادہ ذبح کرنے کے قابل تیس اونٹ لیکر حمراء پہونچے۔ لہذا کسی دن دو اور کسی دن تین ذبح کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ ان کو دن میں لکڑیاں جمع کرنے اور شام کو آگ جلانے کا حکم دیتے۔ لہذا ہر آدمی آگ جلاتا تھا۔ ہم لوگ ان راتوں میں پانچ سو الاؤ جلاتے تھے جو دور ہی سے دکھائی دیتا تھا۔ جس سے ہمارے خیمہ والاؤ کا ذکر چاروں طرف پھیل گیا یہاں تک کہ اللہ نے ہمارے دشمن کو ذلیل وخوار کیا۔ جس کے بارے میں اللہ کا یہ قول ہے: {الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ

النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُواْ لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَاناً وَقَالُواْ حَسْبُنَا اللّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ، فَانقَلَبُواْ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ وَاتَّبَعُواْ رِضْوَانَ اللّهِ وَاللّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ} (آل عمران: ۱۷۳۔ ۱۷۴) جن سے لوگوں نے کہا کہ تمہارے خلاف بڑی فوجیں جمع ہوئی ہیں تم ان سے ڈرو، تو یہ سُن کر ان کا ایمان اور بڑھ گیا، اور انھوں نے جواب دیا کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے، آخر کار وہ اللہ تعالی کی نعمت اور فضل کے ساتھ لوٹے، ان کو کسی قسم کا ضرر نہ پہونچا، اور انھوں نے اللہ تعالی کی رضا مندی کی پیروی کی۔ اللہ بہت بڑا فضل والا ہے۔ یہ حمراء الاسد کا قصہ اور یہ ان کی خبر ہے۔

بلا شبہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب نے مشقت کے باوجود صبر کا مظاہرہ کیا، اپنے ساتھ اپنی تکلیفوں اور زخموں کو لے کر روانہ ہوئے اور اپنی پسلیوں کے درمیان اپنے کرب کو چھپائے ہوئے تھے تاکہ دشمن کے لیے واضح کردیں کہ اب بھی ان میں طاقت اور قوت ہے۔ گھر کے حامی ومحافظ موجود ہیں اور زخموں کے باوجود ان کو شکست نہیں ہوئی۔ اور جب چراگاہ سے شیر غائب ہوں تو اس کو لومڑیاں روندتی ہیں۔ اس طرح اللہ نے مومنوں کی مدد فرمائی اور ظالموں کے مکر کو ناکام کردیا۔ میں اللہ کی جناب میں مردود شیطان سے پناہ مانگتا ہوں۔ {وَلاَ تَهِنُوا وَلاَ تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ، إِن يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ وَتِلْكَ الأيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّهُ الَّذِينَ آمَنُواْ وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاء وَاللّهُ لاَ يُحِبُّ الظَّالِمِينَ، وَلِيُمَحِّصَ اللّهُ الَّذِينَ آمَنُواْ وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ، أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُواْ الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّهُ الَّذِينَ جَاهَدُواْ مِنكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ} (آل عمران: ۱۳۹۔ ۱۴۲) دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو تم ہی غالب رہوگے اگر تم مومن ہو۔ اس وقت اگر تمہیں زخم لگا ہے تو اس سے پہلے ایسا ہی زخم تمہارے مخالف فریق کو بھی لگ چکا ہے۔ یہ تو زمانہ کے نشیب وفراز ہیں جنھیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔ (شکست احد) اس لیے تھی کہ اللہ تعالی ایمان والوں کو جان لے اور تم میں سے بعض کو شہادت کا درجہ عطا فرمائے۔ اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ہے۔ (یہ وجہ بھی تھی) کہ اللہ تعالی ایمان والوں کو بالکل الگ کردے اور کافروں کو مٹادے۔ کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم یوں ہی جنت میں چلے جاؤگے حالانکہ اب تک اللہ تعالی نے یہ معلوم نہیں کیا کہ تم میں سے جہاد کرنے والے کون ہیں اور صبر کرنے والے کون ہیں۔

اللہ تعالی میرے اور آپ کے لیے قرآن وسنت میں برکت عطا فرمائے۔ اور ان دونوں میں موجود آیتوں اور حکمت سے نفع پہنچائے۔ میں اپنی یہ بات کہتا ہوں اور میں اپنے لیے اور آپ کے لیے اللہ تعالی سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔

دوسرا خطبہ:

ساری تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو بلند وبالا اور قدرت والا ہے۔ {غَافِرِ الذَّنبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ} (غافر: ۳) گناہ معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا

ہے۔سخت سزا دینے والا اور بڑا صاحب فضل ہے۔اس کے علاوہ کوئی معبود حقیقی نہیں ہے اور اسی کی طرف سب کو پلٹنا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔بادشاہت اسی کی ہے۔اسی کے لیے حمد ہے۔وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے۔وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اس کو کبھی موت نہیں آئے گی۔اسی کے ہاتھ میں خیر ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے نبی محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں خوشخبری دینے والے، ڈرانے والے اور روشن چراغ ہیں۔اللہ کی رحمت، سلامتی اور برکت ہو آپ پر، آپ کے اہل وعیال پر، آپ کی بیویوں پر، آپ کے صحابیوں پر، تابعین پر اور تا قیامت حق کے ساتھ ان کی اتباع کرنے والوں پر۔

امابعد:

بلاشبہ ہم مشاہدہ کرر ہے ہیں کہ مشرق ومغرب مسلمانوں کے اوپر ٹوٹ پڑا ہے۔اسی وقت ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ پوشیدہ دشمن اٹھ کھڑا ہوا ہے جس نے اپنی لمبی تاریخ میں امت کے دشمنوں کی تائید وحمایت اور اندر سے اس کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کے لیے اس کے پیٹھ میں چھرا گھونپنے کا کوئی موقع نہیں ضائع کیا ہے۔اس بارے میں اس نے تاریخ کے ان حوادث اور مظالم کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے جس کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی اس کے اسباب کا اس سے کوئی رشتہ ہے۔

وہ ہم پر دہشت گردی کا الزام عائد کرتے ہیں جبکہ ہم خود اس کی آگ میں جل رہے ہیں۔ بلاشبہ یہ واضح تضاد اور ظلم ہے جو امت کو ایک اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے نفس کی طرف سے مدافعت کے لئے مہمیز فراہم کرتا ہے۔اور جو کچھ ہم سیاستوں میں تبدیلی اور اتحادوں میں تغیر دیکھ رہے ہیں اس سے ہرگز ہمیں نقصان نہیں ہوگا جب تک ہم اس ذات کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں جو صرف اسی صورت میں تبدیلی کرتا ہے جب ہم تبدیل ہو جائیں۔اور جو ہم سے دست بردار نہیں ہوتا ہے اگر ہم اس سے پناہ طلب کرتے ہیں۔لہذا وہی دنیا وآخرت میں ہمارا محافظ ہے۔

اور اس کا قاصد کسی بھی حال میں بے یار ومددگار نہیں ہوگا۔ بلاشبہ ہر وقت اور خاص طور سے ان حالات میں اللہ تعالی سے قربت ضروری اور واجب ہے۔ضروری ہے کہ لوگوں کو اللہ کی طرف چلا کے لایا جائے اور ان کے تعلقات اس سے مربوط ہوں۔البتہ لوگوں کی اللہ سے روگردانی دشمنوں کے لیے بہترین تحفہ ہے۔

اور یقیناً ہمارا ملک اور اس کے خواص وعوام کو — اللہ کے فضل وکرم سے — واقعات اور سازشوں کا شعور ہے۔اور ہم ان حوادث کے موقع پر اس ملک میں جو عرب اور مسلمانوں کا حقیقی گہوارہ ہے اخوت کا مظاہرہ کرتے ہیں اور ہماری قیادت بھی جو بردباری اور دوراندیشی کے ساتھ وہ اسی اصل پر ثابت قدم رہتی ہے جس پر وہ قائم ہوئی ہے۔

امت اپنے مستقبل کی طرف امید کے ساتھ دیکھ رہی ہے۔اور سرگرم ہے تاکہ آگے بڑھے اور سبقت لے جائے۔ امت ہرگز خود سپردگی نہیں کرے گی گرچہ رکاوٹیں اس کا محاصرہ کرلیں، کیونکہ یہی رحمت وغلبہ والی امت ہے۔

اللہ کی قسم! اللہ ہمیں ہرگز رسوا وذلیل نہیں کرے گا اور نہ ہم سے دست بردار ہوگا۔ اگر ہم اپنے ان اغراض ومقاصد کو پورا کرتے ہیں جن کا حکم قرآن نے دیا ہے:{الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ} (حج:۴۱) یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جمادیں تو یہ نماز قائم کریں، زکوۃ دیں۔ نیکی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں۔ اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ بلاشبہ خیر وبھلائی کا کام کرنا، اس کی طرف دعوت دینا اس امت کی ظاہری علامتیں، باطنی صلاحیتیں، ابدی عمل اور اس کی پوری دنیا میں شہرت کا سبب ہے۔

اللہ کے رسالت کی حامل اور دعوت حق کو اپنانے والی امت سے اس کے علاوہ اور کیا انتظار کیا جارہا ہے کہ عزت وشرف کی نگراں ہو، حقارتوں سے بلند وبرتر ہو، باہمی رحمت کی نصیحت کرنے والی ہو۔ اس کی طرف اس حیثیت سے دیکھا جارہا ہو کہ وہ کمزور کے لئے تقویت، مظلوم کے لئے پناہ گاہ ہے، اور ہمارا ملک اللہ کے فضل وکرم سے اس کا حقدار ہے اور اس میں یہ خوبی ہے۔

توحید سب سے زیادہ اللہ کو محبوب ہے جبکہ شرک سب سے زیادہ نامحبوب ہے۔ ایمان سب سے زیادہ پسندیدہ ہے جبکہ کفر سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے۔ اور عدل سب سے زیادہ مرغوب ہے جبکہ ظلم سب سے زیادہ غیر مرغوب ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:{وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ} (انبیاء: ۱۰۵) اور ہم زبور میں پند ونصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہی ہوں گے۔

یہ ملک — اللہ کے فضل وکرم سے — پہلے اپنے رب کی وجہ سے پھر اپنے ثابت اصولوں اور مضبوط ایمان کی وجہ سے طاقتور ہے۔ اپنے افراد، طاقتوں اور امکانات کی وجہ سے طاقتور ہے۔ اور ہرگز کسی ایسی چیز کی اجازت نہیں دے گا جو اس کے امن کو تہ وبالا کردے، اس کی امت کو متفرق ومنتشر کردے، اور یہی ملک اسلام کا گہوارہ، مسلمانوں کا قبلہ اور حرمین شریفین کا نگراں اور محافظ ہے۔ اور اس کی سرحدیں اربوں مسلمانوں کے دلوں تک پھیلی ہوئی ہیں۔ جبکہ اس کی ہیبت اور احترام سمندروں اور خشکیوں کو تجاوز کئے ہوئے ہے۔

اللہ تعالی ہمارے اور تمام مسلمان ممالک کی حفاظت فرمائے، اے اللہ ہم اپنی طاقت وقوت سے تیری طاقت وقوت کی طرف لوٹتے ہیں، ہم نے اللہ پر توکل کیا۔ اے ہمارے رب تو ہمیں ظالم قوم کے لئے فتنہ نہ بنا اور اپنی رحمت سے ہمیں نجات دے۔

+++

افتاءاوراس کے شروط وآداب

ڈاکٹر فضل الرحمٰن مدنی
جامعہ محمدیہ، مالیگاؤں

افتاء کا لغوی معنی:

افتاء لغت میں کوئی معاملہ یا مسئلہ وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کو کہتے ہیں، علامہ ابن منظور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وأفتاه فی الأمر:أبانه له"(۱)اسی طرح کسی خواب کی تعبیر بتانے کو بھی افتاء کہا جاتا ہے، ابن منظور فرماتے ہیں: "ویقال: أفتیت فلانا رؤیا رآها إذا عبرتها له" (۲)اور فُتیا، فُتیا اور فَتوی مفتی کے جواب کو کہتے ہیں اور فتوی پوچھنے والے کو مستفتی اور وہ عالم دین جس سے کوئی دینی مسئلہ دریافت کیا جاتا ہے اور جو جواب دیتا ہے اسے مفتی کہتے ہیں اور سوال کرنے کو استفتاء کہا جاتا ہے، اس طرح افتاء کے لئے چار عناصر کا وجود لازم ہے: (۱)مستفتی (۲)مفتی (۳)افتاء(۴)فتوی۔

دکتور عبدالکریم زیدان فرماتے ہیں:"ومما تقدم نعلم أن الاستفتاء فی اللغة یعنی السؤال عن أمر أو عن حکم مسألة، وهذا السائل یسمی المستفتی، والمسئول الذی یجیب: هو المفتی، وقیامه بالجواب هو الإفتاء، وما یجیب به هو الفتوی، فالإفتاء یتضمن وجود المستفتی، والمفتی، والإفتاء نفسه، والفتوی" (۳)

افتاء کا اصطلاحی معنی:

اہل علم کی اصطلاح میں مسائل شرعیہ میں سے کسی مسئلہ کا حکم معلوم کرنے اور پوچھنے کو استفتاء اور اس کے شرعی حکم کو وضاحت کے ساتھ بیان کرنے کو افتاء کہتے ہیں اور اس میں بھی چار عناصر ہوتے ہیں: مستفتی، مفتی، افتاء اور فتوی۔

مفتی اور قاضی میں فرق:

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"المفتی هو المخبر عن حکم الله غیر منفذ"(۴)مفتی اللہ کے حکم کی خبر دینے والے کو کہتے ہیں نا کہ نافذ کرنے والے کو، یہاں انہوں نے "غیر منفذ" کہہ کر غالباً قاضی اور مفتی میں فرق کیا ہے کیونکہ قاضی لوگوں کے درمیان شرعی احکام کی تنفیذ کرتا ہے اور مفتی لوگوں کو شرعی احکام بتاتا اور ان کی وضاحت کرتا ہے۔

(۱)لسان العرب:۱۵/۱۴۵ (۲)لسان العرب:۱۵/۱۴۵
(۳)اصول الدعوۃ:ص۱۳۰ (۴)اعلام الموقعین:۴/۱۳۳

افتاء کی ضرورت:

تمام لوگوں کو معلوم ہے کہ لوگوں کے دو طبقے ہیں: ایک علماء وفقہاء کا طبقہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے دینی علم وفقہ میں مہارت اور شرعی بصیرت سے نوازا ہے، دوسرا عوام الناس کا طبقہ جو علم معرفت اور تفقہ فی الدین میں اس درجہ تک نہیں پہنچ سکا ہے، دوسرے طبقہ کے لوگوں کو جب کسی دینی امر میں اشکال ہوا اور اس کا حکم معلوم نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے انہیں پہلے طبقہ کے لوگوں یعنی علماء وفقہاء سے پوچھنے کا حکم دیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون﴾ (۱) اگر تمہیں علم نہ ہو تو اہل علم سے پوچھ لو، اور بوقت ضرورت اہل علم سے رجوع نہ کرنے اور غلط مسئلہ بتانے اور اس پر عمل کرنے پر رسول اللہ ﷺ نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ایک شخص زخمی ہوگیا پھر اسے خواب میں احتلام ہوگیا تو بعض لوگوں نے اسے غسل کرنے کا حکم دیا اور بیچارے نے ان کے حکم پر عمل کرتے ہوئے غسل کرلیا جس سے اس کی موت واقع ہوگئی، رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا: "قتلوه قتلهم الله ألم يكن شفاء العي السوال" (۲) ان لوگوں نے اسے مار ڈالا، اللہ انہیں ہلاک کرے، کیا لاعلمی کا علاج سوال نہیں تھا؟ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ألا سئلوا إذ لم يعلموا فإنما شفاء العي السوال" (۳) جب انہیں معلوم نہیں تھا تو پوچھ کیوں نہیں لیا؟ لاعلمی کا علاج صرف سوال ہے۔

اور اہل علم وفقہ پر اللہ نے لوگوں کے لئے دینی احکام کو بیان کرنا واجب اور کتمان علم کو حرام قرار دیا ہے، ارشاد باری ہے: ﴿وإذا أخذ الله ميثاق الذين أوتوا الكتاب لتبيننه للناس ولا تكتمونه فنبذوه وراء ظهورهم واشتروا به ثمنا قليلا فبئس ما يشترون﴾ (۴) اور جب اللہ نے اہل کتاب سے عہد لیا کہ تم اسے لوگوں سے ضرور بیان کروگے اور اسے چھپاؤگے نہیں، پھر بھی ان لوگوں نے اس عہد کو اپنی پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور اسے بہت کم قیمت پر بیچ ڈالا، ان کا یہ بیوپار بہت برا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اگرچہ اہل کتاب کو کتمان علم پر زجر وتوبیخ کی گئی ہے مگر ضمناً واشارۃً اس میں مسلمان اہل علم کو بھی تنبیہ ہے کہ ان کے پاس جو علم شریعت ہے اسے لوگوں سے بیان کریں اور دنیوی اغراض ومفادات کی خاطر اسے ہرگز نہ چھپائیں، کیونکہ یہ بہت بڑا جرم ہے۔

(۱) الانبیاء: ۷

(۲) سنن ابوداود: ۱/۲۴۰ (۳۳۷) كتاب الطهارة، باب فى المجروح يتيمم.

(۳) سنن ابوداود: ۱/۲۴۰ (۳۳۶) كتاب الطهارة، باب فى المجروح يتيمم.

(۴) آل عمران: ۱۸۷

ایک دوسری جگہ فرمایا: ﴿إن الذين يكتمون ما أنزلنا من البينات والهدى من بعدما بيناه للناس فى الكتاب أولئك يلعنهم الله ويلعنهم اللاعنون﴾(۱) جولوگ ہماری اتاری ہوئی دلیلوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم اسے اپنی کتاب میں لوگوں کے لئے بیان کر چکے ہیں، ان لوگوں پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔

اس آیت میں علم وہدایت کے کتمان پر لعنت ہے، جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ کتنا عظیم جرم ہے اور حق کی وضاحت اوراس کے بیان کے سلسلے میں اہل علم پر کتنی بڑی ذمہ داری ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "من سئل عن علم علمه ثم كتمه ألجم يوم القيامة بلجام من نار"(۲) جس سے کسی علم کے بارے میں سوال کیا گیا پھر اس نے اسے چھپالیا تو قیامت کے دن اسے آگ کا لگام پہنایا جائے گا۔

افتاء کی مختصر تاریخ:

رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں آپ ہی تمام لوگوں کے مرجع تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے تمام امور میں آپ سے ہی رجوع فرماتے اور جب بھی کسی مسئلہ میں انہیں اشکال ہوتا تو آپ سے ہی سوال کرتے اور آپ وحی متلو یا وحی غیر متلو کے ذریعہ ان کے مسائل کو حل فرماتے اور سوالات کے جوابات عنایت فرماتے، قرآن کریم میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بہت سے سوالات اور ان کے جوابات کا تذکرہ ہے، جیسے:

۱-﴿يسئلونك عن الخمر والميسر، قل فيهما إثم كبير ومنافع للناس وإثمهما أكبر من نفعهما، ويسئلونك ما ذا ينفقون، قل العفو كذالك يبين الله لكم الآيات لعلكم تتفكرون﴾(۳) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیجئے ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے ان میں کچھ فائدے بھی ہیں، لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت زیادہ ہے، لوگ آپ سے یہ بھی دریافت کرتے ہیں کہ وہ کیا کچھ خرچ کریں، آپ کہہ دیجئے حاجت سے زائد چیز، اللہ تعالیٰ اسی طرح احکام کو تمہارے لئے صاف صاف بیان فرماتا ہے تا کہ تم سوچ سمجھ سکو۔

۲-﴿ويسئلونك عن اليتامى، قل إصلاح لهم خير، وإن تخالطوهم فإخوانكم، والله يعلم المفسد من المصلح، ولو شاء الله لأعنتكم، إن الله عزيز حكيم﴾(۴) لوگ آپ سے یتیموں کے بارے

(۱) البقرہ:۱۵۹

(۲) مسند احمد:۲/۴۹۵، سنن الترمذی:۵/۲۹(۲۶۴۹) كتاب العلم، باب ما جاء فى كتمان العلم.

(۳) البقرہ:۲۱۹ (۴) البقرہ:۲۲۰

میں سوال کرتے ہیں، کہہ دیجئے کہ ان کی خیر خواہی بہتر ہے، تم اگر ان کا مال اپنے مال میں ملا بھی لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں، بدنیت اور نیک نیت میں سے ہر ایک کو اللہ خوب جانتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں ڈال دیتا، یقیناً اللہ غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔

۳-﴿ويسئلونك عن المحيض، قل هو أذى فاعتزلوا النساء فى المحيض، ولا تقربوهن حتى يطهرن، فإذا تطهرن فاتوهن من حيث أمركم الله، إن الله يحب التوابين ويحب المتطهرين﴾(۱) لوگ آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں، کہہ دیجئے کہ وہ گندگی ہے، حالت حیض میں عورتوں سے الگ رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب نہ جاؤ، ہاں جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ، جہاں سے اللہ نے تمہیں اجازت دی ہے، اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک وصاف رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

یہ ان سوالات نے چند نمونے ہیں جن کے جوابات رسول اللہ ﷺ نے وحی متلو کے ذریعہ دیئے اور بہت سارے سوالات کے جوابات رسول اللہ ﷺ نے وحی غیر متلو یعنی احادیث کے ذریعہ دیئے، جیسے:

۱-صحیح بخاری میں ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لوگوں نے کہا:"يا رسول الله أي الإسلام أفضل؟" اے اللہ کے رسول! کون سا اسلام افضل ہے؟ آپ نے فرمایا:"من سلم المسلمون من لسانه ويده"(۲) جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔

۲-اسی طرح صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے پوچھا: "أي الإسلام خير؟" کون سا اسلام بہتر ہے، آپ نے فرمایا:"تطعم الطعام وتقرأ السلام على من عرفت، ومن لم تعرف" کھانا کھانا اور جن کو پہچانیں اور جن کو نہ پہچانیں سب کو سلام کرنا۔(۳)

۳-صحیح بخاری میں ہی عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ابواہاب بن عزیز کی لڑکی سے شادی کی پھر ایک عورت آئی اور کہنے لگی کہ میں نے عقبہ اور اس لڑکی کو دودھ پلایا ہے جس سے اس نے شادی کی ہے، عقبہ نے کہا مجھے تو نہیں معلوم کہ تم نے مجھے دودھ پلایا ہے اور نہ تو نے پہلے مجھے اس کی خبر دی، پھر وہ سواری پر بیٹھ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ منورہ گئے اور آپ سے اس کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا:"كيف وقد قيل" کیسے تم اسے اپنی زوجیت میں

(۱) البقرہ:۲۲۲

(۲) صحیح بخاری:۱/۴۵(۱۱) كتاب الإيمان، باب أى الإسلام أفضل.

(۳) صحیح بخاری:۱/۵۵(۱۲) كتاب الإيمان، باب إطعام الطعام من الإسلام.

رکھو گے جبکہ یہ بات کہی گئی ہے کہ تم دونوں رضاعی بھائی بہن ہو؟ چنانچہ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی اور اس نے ان کے علاوہ دوسرے شخص سے شادی کر لی۔(۱)

۴-اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے بکثرت مذی کا خروج ہوتا تھا، چنانچہ میں نے ایک شخص کو حکم دیا کہ رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھے اور آپ کی بیٹی کے میری زوجیت میں ہونے کی وجہ سے میں نے خود سوال نہیں کیا، چنانچہ اس شخص نے اس کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: توضأ واغسل ذكرك"(۲) اپنے ذکر کو دھو کر کے وضو کر لو۔ (بس یہی کافی ہے غسل کی ضرورت نہیں)

۵-حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع میں منیٰ میں لوگوں (کے افادہ) کے لئے کھڑے ہوئے تھے اور لوگ آپ سے سوال کر رہے تھے، اتنے میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا: مجھے معلوم نہیں تھا اس لئے میں نے ذبح سے پہلے حلق کر لیا؟ آپ نے فرمایا: اذبح، ولا حرج "ذبح کر لو کوئی حرج کی بات نہیں، پھر ایک دوسرا شخص آیا اور اس نے کہا میں جان نہیں سکا اور رمی سے پہلے ذبح کر لیا، آپ نے فرمایا: "ارم، ولا حرج" رمی کر لو (کنکری مار لو) کوئی حرج نہیں، پھر نبی ﷺ سے کسی بھی چیز کی تقدیم وتاخیر کے بارے میں سوال نہیں کیا گیا مگر آپ نے یہی فرمایا: "افعل ولا حرج"(۳) کر لو کوئی حرج نہیں۔

اس طرح سب سے پہلے جس نے افتاء کے عظیم منصب کو سنبھالا وہ سید المرسلین، امام المتقین، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں، جو اللہ کے بندے اور رسول تھے اور اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان سفیر کا کام کرتے تھے اور وحی مبین کی روشنی میں لوگوں کو فتوی دیتے تھے جیسا کہ فرمان باری ہے: ﴿وما ينطق عن الهوى، إن هو إلا وحي يوحى﴾(۴) آپ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے ہیں وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے، بلا وحی کے آپ تکلف سے کچھ نہیں فرماتے تھے۔ ﴿قل ما أسألكم عليه من أجر وما أنا من المتكلفين﴾(۵) کہہ دیجئے میں تم سے اس پر کوئی بدلہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں۔

آپ ﷺ کے فتاوے بڑے ہی جامع اور فصل خطاب پر مشتمل ہوتے تھے، اور وجوب اتباع اور تسلیم ورضا میں ان کا

---

(۱) صحیح بخاری:۳/۷۰۷(۲۰۵۲) كتاب البيوع، باب تفسير الشبهات.

(۲) صحیح بخاری:۱/۳۷۹(۲۶۹) كتاب الغسل، باب غسل المذى والوضو منه.

(۳) صحیح بخاری:۱/۱۸۰(۸۳) كتاب العلم، باب الفتيا وهو واقف على الدابة وغيرها.

(۴) النجم:۳-۴ (۵) ص:۸۶

مقام قرآن کی طرح ہے، اور کسی مسلمان کے لئے ان سے عدول کرنے کی ذرہ برابر گنجائش نہیں، بلکہ اختلاف ونزاع کے وقت ان کی طرف رجوع کرنا اور خوشی خوشی انہیں قبول کرنا لازم ہے، فرمان الٰہی ہے: ﴿يا أيها الذين آمنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم، فإن تنازعتم فى شىء فردوه إلى الله والرسول إن كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر، ذلك خير وأحسن تأويلا﴾(۱) اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ کی، اور فرمانبرداری کرو رسول کی اور اپنے میں سے اولوالامر کی، پھر اگر تم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے اللہ کی طرف اور رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تمہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے، یہ بہت بہتر اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔

پھر رسول اللہ ﷺ کے بعد علماء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فتوی کا کام انجام دیا، جو بڑے گہرے علم کے مالک، تکلفات سے مبرا اور رقیق القلب تھے، جو ایمان میں بڑے پختہ، امت کے بڑے خیر خواہ تھے، ان میں کچھ بکثرت فتوی دینے والے تھے جیسے عمر بن خطاب، علی بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعود، ام المومنین حضرت عائشہ، زید بن ثابت، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم، کچھ متوسط تھے جیسے حضرت ابوبکر صدیق، عثمان بن عفان، ام سلمہ، انس بن مالک، ابوسعید خدری، ابوہریرہ، عبداللہ بن عمرو بن عاص، عبداللہ بن زبیر، ابوموسیٰ اشعری، سعد بن ابی وقاص، سلمان فارسی، جابر بن عبداللہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم، اور کچھ بہت کم فتوی دیتے تھے جیسے حضرت ابوالدرداء، ابوسلمہ مخزومی، ابوعبیدہ بن جراح، حسن اور حسین، نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہم وغیرہم۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد اس کی ذمہ داری تابعین پر عائد ہوئی، جن میں سعید بن المسیب، عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد، خارجہ بن زید، ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام، سلیمان بن یسار اور عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ بہت مشہور ہیں، پھر نوابغ فقہاء اور ائمہ اربعہ وغیرہ کا دور آیا جنہوں نے امت کی دینی قیادت ورہنمائی کی ذمہ داری سنبھالی، پھر ان کے تلامذہ اور دیگر ائمہ کرام سے ہوتے عصراً بعد عصر یہ سلسلہ دور حاضر تک پہنچا۔

☆☆☆

(۱) النساء:۵۹

امہات المومنین کی سیرت کے درخشاں پہلو

خورشید آفاق
گیسٹ ٹیچر، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نیو دہلی

امہات المومنین اور حقوق نسواں کی حفاظت ونگہداشت:

امہات المومنین امت مسلمہ کی رحیم ماں، شفیق محسنہ اور قابل احترام معلّمہ تھیں، انہوں نے پوری زندگی اپنی روحانی اولاد کی تعلیم وتربیت، اس کی خیرخواہی وہمدردی اور اسے مشکوٰۃ نبوت سے منور کرنے میں صرف کردی اس عمومی شفقت کے باوجود صنف نازک کے ساتھ ان کی دلچسپی اور دل سوزی کی کیفیت خاص رنگ لیے ہوئے تھی اس کی ایک وجہ تو اس طبقہ کے ساتھ ان کی فطری مناسبت تھی دوسری وہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھیں کہ اسلام سے پہلے تمام انسانی معاشروں میں عورت انسانی عزوشرف اور بنیادی حقوق سے محروم رہی ہے اسی فطری تعلق اور دین اسلام کے ترجمان وشارح ہونے کی حیثیت سے طبقۂ نسواں کے حقوق کی بحالی ان کی عزت نفس بلند کرنے اور ان کی فطری مجبوریوں کے پیش نظر انہیں خصوصی مراعات کا مستحق قرار دینے میں جونمایاں کردار ادا کیا ہے اس کی تفصیلات سے اسلامی قانون کی پوری کتاب بھری پڑی ہے۔

امہات المومنین اپنے کردار اور طرز عمل سے پوری دنیا پر یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہوئیں کہ عورت علمی مذہبی اجتماعی پندوموعظت اصلاح وارشاد اور ملک وملک کی بھلائی کے کام انجام دے سکتی ہے اس طرح انہوں نے اپنی ہم جنسوں کے سامنے ولولہ انگیز نمونہ پیش کیا جس سے ان میں اپنے مرتبے اور مقام کی برتری کا احساس اجاگر ہوا اور بے پناہ قوت عمل بیدار ہوئی جس کے نتیجے میں امت میں ایسی بے شمار ہستیاں پیدا ہوئیں کہ گوا ان کا تعلق جنس نسوانی سے تھا لیکن ائمہ کرام تک نے ان کے خرمن فیض سے خوشہ چینی کرنا اپنے لیے اہم سعادت تصور کرتے تھے۔

امہات المومنین نے حقوق نسواں کی حفاظت اور نگہداشت کرتے ہوئے جاہلی رسوم کی تمام باریکیوں پر نظر رکھی اور معاشرے میں ان کے رواج پر نکیر بھی فرمائی مثلاً اسلام میں رہبانیت کی کوئی گنجائش نہیں۔ عثمان بن مظعون عبادت گزار اور پارسا صحابی رسول تھے ان کی طبیعت پر زہد اور رہبانیت کا غلبہ تھا ایک روز ان کی بیوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں وہ ہر قسم کی نسوانی زیب وآرائش سے خالی تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے طبیعت کی اس ویرانی کا سبب پوچھا تو انہوں نے شوہر کی عبادت وریاضت کا حال بتلایا، جب آنحضرت تشریف لائے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان بن مظعون کا واقعہ بتلایا، آپ فوراً ان کے پاس گئے اور فرمایا: ’’اے عثمان ہمیں رہبانیت کا حکم نہیں ملا ہے کیا میرا طرز زندگی پیروی کے لائق نہیں......وغیرہ۔ اس کے بعد حضرت عثمان بن مظعون نے اپنے طرز عمل میں اعتدال کی روش اپنالی، اسی طرح

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چوری کی سزا یافتہ خاتون سے ملتی تھیں اور اس کی درخواست بھی رسول اللہ ﷺ کے حضور پیش کرتی تھیں جبکہ مدینہ کی دوسری خواتین ان سے بولنا پسند نہیں کرتی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حقوق نسواں کی حفاظت کرتے ہوئے معاشرے کے اس کمزور پہلو کی طرف بھی رسول اللہ ﷺ کی توجہ دلائی جس میں بعض مسلمان بیویاں اپنے شوہروں کی تعذیب کا شکار تھیں اس کے بعد ہی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے لوگو! اللہ کی باندیوں یعنی اپنی بیویوں کو نہ مارو اپنی بیویوں کو مارنے والے تم میں سے بہتر لوگ نہیں ہیں عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے......۔

حقوق نسواں کی نگہداشت ونگرانی کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوہریرہ کی اس روایت کی بھی اصلاح فرمائی کہ عورت، کتا یا گدھا نمازی کے آگے سے گزر جائے تو نماز نہیں ہوگی۔ سیدہ نے کہا: ''تم نے کتنا برا کیا کہ ہم عورتوں کو کتے اور گدھے کے برابر کردیا کیا عورت بھی ناپاک جانور ہے؟ میں رسول اللہ کے سامنے پاؤں پھیلائے سوئی رہتی حجرے میں جگہ نہ تھی جب حضور نماز میں مصروف ہوتے اور سجدے میں جاتے تو ہاتھ ٹھوک دیتے میں پاؤں سمیٹ لیتی اور جب آپ کھڑے ہوتے تو پھر پاؤں پھیلا لیتی کبھی ضرورت ہوتی تو بدن چرا کر سامنے سے نکل جاتی''۔ بدشگونی اور نحوست والی روایت کی بھی اصلاح فرمائی تھی۔ ناپاکی کے غسل میں عورت کا چوٹی کھولنا، حج میں عورتوں کا بال کٹوانے والی روایت کی تصحیح ہی نہیں کی بلکہ عبداللہ بن عمر اور ابن زبیر پر ناراضگی بھی ظاہر کی کہ جن سے یہ روایت منسوب ہیں۔ حقوق نسواں کی حفاظت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وراثت میں پوتیوں کے حصے کی وکالت بھی کی اور مجبوری کی طلاق کو غلط بتلایا۔

حقوق نسواں کی حفاظت میں صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی پیش پیش نہیں تھیں دوسری ازواج مطہرات نے بھی اپنے فرائض انجام دیئے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے ہی پردے کا حکم نازل ہوا تھا۔ امہات المومنین نے صرف اشاعت دین اور معاشرے کی تربیت کے فرائض ہی انجام نہیں دیئے بلکہ اپنے ہم جنس کے حقوق کا برابر خیال رکھا اور مسلم معاشرے میں عورتوں کے حوالے سے پھیلی جاہلی دور کی غلط فہمی کو بھی دور کرنے کی کوشش کی اسی طرح ان نفوس قدسیہ نے بچوں کے ساتھ بچیوں کی خصوصی تعلیم وتربیت کی طرف توجہ دی تاکہ وہ گمراہی سے محفوظ رہیں۔

امہات المومنین کی فقر وفاقہ کی زندگی اور انفاق فی سبیل اللہ:

انفاق فی سبیل اللہ کے حوالے سے بھی امہات المومنین کا طرز عمل ہمارے لیے مثالی اور قابل تقلید ہے ان نفوس قدسیہ نے فقر وفاقہ کی زندگی میں بھی صدقہ وخیرات کرتی رہیں اور ذخیرہ اندوزی اور مستقبل کے لیے کچھ بچا کر رکھنے کے عمل سے محفوظ رہیں، اصل میں عقیدۂ آخرت نے اس عمل کو مہمیز کرنے کا کام کیا۔ درہم ودینار نہ تو ان کی خواہش تھی اور نہ ہی ذخیرہ اندوزی کرکے وراثت چھوڑنا چاہتی تھیں تاکہ جوابدہی سے محفوظ رہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا گھر فقر وزہد کی مثال تھا ان کی معاشی حالت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب آپ کا انتقال ہوا تو چراغ جلانے کے لیے گھر میں تیل نہیں تھا اور نہ ہی درہم ودینار تھے کہ اس سے بازار سے منگوالیا جاتا، رسول

اللہ ﷺ کی زرہ کے عوض حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک یہودی سے قرضہ لیا اور اپنے حجرے میں چراغ جلائے، ایسی معاشی حالت میں بھی امہات المومنین نے صدقہ وخیرات کی اعلیٰ روایت قائم کی۔

امہات المومنین نے فقر وفاقہ کی زندگی بسر کی۔ چمڑے اور ٹاٹ کے بستر اور چٹائیوں پر قناعت کیا۔ جو کی روٹی اور کھجور کے مقدر پر شکر کرتی رہیں اور کم سے کم متاع حیات پر اپنی زندگی کو رواں دواں رکھا لیکن شکوہ شکایت، ذخیرہ اندوزی، مستقبل کے لیے saving اور درہم ودینار کے لیے تگ ودو سے باز رہیں، وہ عبادت وریاضت اور صدقہ وخیرات میں competition کرتی تھیں۔ تنگی وعسرت اور فقر وفاقہ کے باوجود ان کے پاس جب بھی کبھی مال ودولت کی فراوانی ہوتی تو فوراً اسے غربا ومساکین میں تقسیم کر دیتیں مثلاً حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے پاس حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے درہم کی ایک تھیلی بھیجی جب تک اسے تقسیم کرکے ختم نہیں کیا سکون سے نہ بیٹھیں اور اپنے لیے کچھ بھی پس انداز نہ کیا۔ حضرت زینب بنت خزیمہ ام المساکین کے لقب سے مشہور تھیں ان کے انتقال پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے گواہی دی کہ غریبوں اور مسکینوں کا سہارا اٹھ گیا۔

رسول اللہ ﷺ کے گھروں کا زہد وفقر معمول تھا لیکن ان کے اہل خانہ کی تربیت ایسی ہوئی تھی کہ وہ اس زندگی کو ترجیح دیتی تھیں۔ امہات المومنین اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے زبان سے کبھی نان ونفقہ کا مطالبہ نہیں کیا گیا ایک دفعہ ایسا واقعہ پیش آیا لیکن وہ بھی عارضی ثابت ہوا۔ فقر وفاقہ کی زندگی میں بھی جبکہ دوسری خواتین ومرد حضرات پس انداز کرنے کی نفسیات میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور صدقہ وخیرات جیسے نیک اور قابل تقلید عمل کو Theoritical بنا دیتے ہیں، آپ ﷺ کے اہل خانہ برعکس زندگی گزار کر معاشرے کے استحکام، مساوات اور اونچ نیچ کے فرق کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ امہات المومنین کی سیرت توکل علی اللہ کا خوبصورت نمونہ تھیں۔

امہات المومنین کا سوکن کے ساتھ حسن سلوک اور عائلی زندگی کو خوش گوار بنانا:

امہات المومنین نے اپنی عائلی زندگی بھی خوش گوار گزاری اور سوکنوں کی موجودگی میں بھی توازن برقرار رہا۔ بعض دفعہ کچھ ناخوشگوار واقعات پیش آئے لیکن وہ انسانی فطرت اور بشریت کے تقاضے کے عین مطابق تھا، اللہ نے عورتوں میں حسد ورقابت کا جذبہ کچھ زیادہ رکھا ہے امہات المومنین پر اگر کبھی اس جذبے نے اثر کیا تب بھی ان کی عائلی زندگی خوش گوار تھی۔ تاریخ وسیر کی کتابیں عائلی زندگی کی خوش گواریت کا ثبوت فراہم کرتی ہیں لیکن برعکس معاملے کی وضاحت پر بالکل خاموش ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے گھرانے میں ایسا کوئی معاملہ ہوا ہی نہیں کہ مورخ اس پر لب کشائی کرتے اور اس کو تنقید وتجزیہ کے عمل سے گزارتے تاریخ وسیر کی کتابوں میں کچھ واقعات پڑھنے کو ملتے ہیں جو بشری تقاضے کے تحت وقوع پذیر ہوئے لیکن اس سے نہ تو حضور پاک کبیدہ خاطر ہوئے اور نہ ہی ازواج النبی میں رقابت وحسد کا جذبہ پیدا ہوا یہ انسانی فطرت کے وقتی مسائل تھے جو بہتر تربیت کی وجہ سے از خود حل ہو گئے۔ مثلاً ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے ایک دفعہ یہ سمجھ کر

کمرے کا دروازہ بند کرلیا کہ حضور پاک ان کی باری میں دوسری ازواج کے پاس گئے تھے ان کی اس غلط فہمی کو حضور پاک نے یہ کہہ کر ختم کیا کہ میں باہر پیشاب کرنے گیا تھا۔ایک مرتبہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائیں تو انہوں نے کھانے کو حلوہ پیش کیا حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے انکار کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہ حلوہ ان کے چہرے پر مل دیا۔ پھر بھی انہوں نے برا نہیں مانا اور نہ ہی تعلقات میں کمی آئی قابل ذکر بات یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی عمر میں کافی تفاوت تھا یہ جوان تھیں اور وہ بوڑھی پھر بھی حضرت عائشہ نے ان سے مزاق کیا۔

سوکناپے کا یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ حضور پاک حضرت زینب بنت جحش کے یہاں شہد پیتے جو ان کے پاس کہیں سے آیا تھا اس عمل کی وجہ سے حضور پاک کچھ زیادہ وقت وہاں گزارتے تھے اس صورت حال سے حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ پریشان ہوگئیں انہوں نے وقفے کی مدت کو کم کرنے کا پلان بنایا کہ جب حضور پاک آئیں تو سبھی ازواج کہیں کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آرہی ہے سو دیگر ازواج نے ایسا ہی کیا اور تدبیر کارگر ثابت ہوئی۔رسول اللہ ﷺ نے ان کے پاس شہد نہ کھانے کا فیصلہ کیا جس پر اللہ نے نکیر فرمائی۔اس واقعہ کے بعد بھی حضرت زینب بنت جحش نے معاف کردیا۔

اگر رسول اللہ ﷺ کی بیویوں میں عام عورتوں کی طرح حسد، جلن اور رقابت کا جذبہ ہوتا تو وہ واقعہ افک کا بھرپور فائدہ اٹھاتیں اور سوکناپے کی روایت پر عمل کرتیں کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جس قسم کا قلبی لگاؤ تھا وہ تمام ازواج کے سامنے تھا لیکن ان نفوس قدسیہ نے ایسا نہیں کیا، اس موقع پر جب کہ لوگ آپ کو دوسری شادی کرنے اور حضرت عائشہ کو طلاق دینے کا مشورہ دے رہے تھے حضرت زینب بنت جحش نے سوکناپے کی روایت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے حقیقت حال اور کلمات خیر ہی ادا کیے۔جس سے رسول اللہ کو یک گونہ قلبی سکون حاصل ہوا۔حضرت زینب اپنی سوکن کے لیے مددگار ومعاون ثابت ہوئیں۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بچیوں کی مکہ میں اس وقت پرورش اور سرپرستی کی جب بچے حقیقی ماں سے محروم ہوگئے تھے اور والد ہجرت کرکے مدینہ منورہ جا چکے تھے۔مصائب وشدائد کے باوجود حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے خلق عظیم کا شیوہ اپنایا جوان کے شوہر کا امتیاز تھا۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے انتظامات خود کیے تھے۔مثلاً انہوں نے سوتیلی بیٹی کے سسرالی مکان کی لیپا پوتی کی، بستر تیار کیے، کھجور کی چھال دھن کر تکیے بنائے، مشک اور کپڑے لٹکانے کے لیے لکڑی کی الگنی بنائی، دعوت میں چھوارے اور منقے پیش کیے۔ یہ سب کرتے ہوئے سوتیلا پن ظاہر نہیں ہوا، روایتیں گواہ ہیں کہ ماں بیٹی کا رشتہ ہمیشہ خوش گوار رہا تھا۔

ان واقعات کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ امہات المومنین کے اندر سوکناپے کا جذبہ نہیں تھا ان کی تربیت کچھ اس انداز سے ہوئی تھی کہ ان لوگوں نے اس جذبے کو عبادت وریاضت اور صدقہ وخیرات اور دیگر افعال حسنہ کی طرف موڑ دیا تھا۔

انسانی فطرت وجبلت کے حامل ان لوگوں نے اپنے عمل سے اپنی عائلی زندگی کو خوش گوار بنایا اور پیغمبرانہ مشن میں معاون ومددگار رہوئیں۔

امہات المومنین کا اپنے والدین سے کسی بھی مطالبے سے پرہیز:

امہات المومنین نے پیغمبر آخر الزماں رسول اللہ ﷺ سے شادی کی تو انہیں اپنے شوہر کے پیغمبرانہ ذمہ داریوں کا احساس تھا اوران کے معاشی معاملات ومشکلات کا بھی قطعی علم رکھتی تھیں انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ وہ جس حرم میں جاکر انسانی تاریخ کا ایک باب بننے والی ہیں وہاں اور بھی مستورات بحیثیت بیوی کے پہلے سے موجود ہیں۔نان ونفقہ کے حوالے سے بھی وہ باخبر تھیں انہیں علم تھا کہ وہ ایک ایسے گھرانے اور خاندان کا حصہ بننے والی ہیں کہ جہاں رحمت وبرکت کا ہمہ وقت ظہور ہورہا تھا لیکن زہد وفقر کا بول بولا تھا۔متاع حیات کے گراں مایہ کا یہاں نہ تو گزر تھا اور نہ ہی حرص ولالچ کا کوئی شائبہ، مال ومتاع کو پس انداز کرنے کی کوئی روایت بھی نہیں تھی اگر کچھ تھا تو وہ آخرت کی کامیابی اور حصولیابی کی فکر تھی چنانچہ اہل بیت نے کارخیر کے کاموں میں دلچسپی دکھائی اور امت کو بطور نمونہ اور مثال عمل کے ذریعہ انفاق فی سبیل اللہ کا درس دیا۔

سسرالی مسائل ومشکلات اور وہاں کی فقر وفاقہ بھری زندگیوں اور سوکنوں کے ساتھ رہائش کے مسائل اور نوخیز مسلم امت کی تعلیم وتربیت اوران کے معاشی استحکام کے لیے محنت ومشقت اور فقراء ومساکین کی خبر گیری اور کفالت کی شکایت کی اور نہ ہی اپنے والدین سے ان لوگوں نے کسی قسم کا مطالبہ کیا، نہ درہم ودینار مانگے اور نہ ہی غلام وباندیاں کہ وہ ان کا ہاتھ بٹاتے۔امہات المؤمنین ؓ نے شادی کے وقت جوعہد وپیمان کیا تھا اور پیغمبرانہ مشن کے ممبر کی حیثیت سے ذمہ داری کا جوعہد لیا اس پر وہ تاحیات قائم رہیں اور صبر وشکر کی پیکر بنی رہیں انھوں نے رب کے علاوہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے قطعی پرہیز کیا اور کسی پر بوجھ نہ رہیں۔یہ روایت بیان کی جاچکی ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر فاروق ؓ نے حضرت سودا ؓ کے پاس درہموں کی ایک تھیلی بھیجی آپ نے پوچھا اس میں کیا ہے؟ بتایا گیا کہ اس میں درہم ہیں، بولیں تھیلی میں درہم کھجور کی طرح بھرے ہوئے ہیں،اس کے بعد اسی مجلس میں وہ تمام درہم غریبوں اور مسکینوں میں کھجوروں کی طرح تقسیم فرمادیئے۔یہ صفت اور امتیاز امہات المؤمنین ؓ کا تھا اسی لیے انہیں خیر امت کا لقب اور درجہ حاصل تھا۔

(جاری)

☆☆☆

زیارت مدینہ منورہ

فضائل، احکام اور آداب

عبدالولی عبدالقوی
داعی مکتب دعوۃ وتوعیۃ الجالیات، الحائط/سعودی عرب

مدینہ منورہ رسول اللہ ﷺ کا دار الہجرت، آپ کا ماوی ومسکن اور منبع رشد وہدایت ہے، اس مبارک شہر کو مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کے سنگم اور ان کے ماوی وملجا ہونے کا شرف بھی حاصل ہے، یہ محبوبِ انس وجن شہر، بے پناہ فضائل اور خوبیوں کا حامل، کئی الگ الگ ناموں سے موسوم ہے جو اس کی عظمت کی واضح دلیل ہے، یہیں سے نور ہدایت کی شعاع روشن ہوئی جس نے پوری دنیا کو اسلام کی روشنی سے منور کر دیا، ذیل میں اس مبارک شہر کے کچھ فضائل واوصاف اور اس کی زیارت کے بعض مسنون آداب پیش خدمت ہیں:

(ا) فضائل مدینہ منورہ:

(ا) مدینہ منورہ بھی مکہ مکرمہ کی طرح حرم ہے، جیسا کہ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ان ابراهيم حرم مكة و دعا لها و حرمت المدينة كما حرم ابراهيم مكة و دعوت لها في مدها وصاعها مثل ما دعا ابراهيم عليه السلام لمكة" ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرام قرار دیا اور اس کے لئے دعا فرمائی، میں بھی مدینہ کو اسی طرح حرام قرار دیتا ہوں جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرام قرار دیا تھا اور اس کے لئے اس کے مد اور صاع کی برکت کے لیے اسی طرح دعا کرتا ہوں جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے لئے دعا کی تھی۔ (بخاری ۲۱۲۹ مسلم ۱۳۶۰)

روئے زمین پر یہی دو شہر ہیں جنھیں اللہ رب العالمین نے حرم ہونے کا شرف بخشا ہے، ان کے علاوہ پوری دنیا میں تیسرا کوئی حرم نہیں ہے، حرم مدینہ کے حدود عیر پہاڑ سے لے کر ثور پہاڑ تک اور دونوں سیاہ پتھروں والے ٹیلوں کے درمیان والی جگہ ہے، جیسا کہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"إن ابراهيم حرم مكة واني حرمت المدينة ما بين لابتيها لا يقطع عضاهها و لا يصاد صيدها" "میں دونوں سیاہ پتھروں والے ٹیلوں کے درمیان والی جگہ کو حرام قرار دیتا ہوں، وہاں کے درختوں کو کاٹنا اور شکار کو قتل کرنا حرام ہے"۔ (مسلم: ۱۳۶۲)

عاصم بیان کرتے ہیں کہ میں نے انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کو حرمت والا شہر قرار دیا ہے؟ فرمایا کہ ہاں، فلاں جگہ (عیر) سے فلاں جگہ (ثور) تک اس علاقہ کا درخت نہیں کاٹا جائے گا، جس نے اس شہر میں دین میں کوئی نئی بات پیدا کی تو اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔ (بخاری ۷۳۰۶ مسلم ۱۳۶۶)

(۲) مدینہ منورہ میں موت آپ ﷺ کی شفاعت کا باعث ہے، جیسا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”من استطاع أن يموت بالمدينة فليفعل فانى أشفع لمن مات بها“(ترمذی ۳۹۱۷)

”جو شخص مدینہ میں مرسکتا ہو اسے ضرور مدینہ میں مرنا چاہئے کیوں کہ جو مدینہ میں مرے گا میں اس کی شفاعت کروں گا“۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”لا يصبر على لاواء المدينة و شدتهاأحد من أمتى الا كنت له يوم القيامة شفيعا او شهيدا“(مسلم ۱۳۷۸)

”میری امت کا جو بھی فرد مدینہ منورہ کی مشقت و پریشانی اور اس کی سختیوں پر صبر کرے گا میں قیامت کے دن اس کا سفارشی یا گواہ ہوں گا“۔

(۳) آخری وقت میں ایمان ساری دنیا سے سمٹ کر مدینہ میں پناہ لے گا: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ان الايمان ليارز الى المدينة كما تأرز الحية الى جحرها“(بخاری ۱۸۷۶، مسلم ۲۳۳)

”ایمان مدینہ میں سمٹ کر اسی طرح واپس آجائے گا جس طرح سانپ اپنے بل میں سمٹ کر آتا ہے“۔

(۴) مدینہ منورہ میں طاعون کی بیماری نہیں پھیل سکتی اور نہ ہی وہاں دجال داخل ہوسکتا ہے:

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ليس من بلد الا سيطؤه الدجال الا مكة والمدينة ليس من نقابها نقب الا عليه الملائكة صافين يحرسونها ثم ترجف المدينة باهلها ثلاث رجفات فيخرج الله كل كافر و منافق“(بخاری ۱۸۸۱، مسلم ۲۹۴۳)

کوئی شہر ایسا نہیں جسے دجال پامال نہیں کرے گا سوائے مکہ اور مدینہ کے، ان کی ہر راستہ پر فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے، جو ان کی حفاظت کریں گے، پھر مدینہ کی زمین تین مرتبہ کانپے گی جس سے ایک ایک کافر اور منافق کو اللہ تعالی اس سے باہر کردے گا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”على أنقاب المدينة ملائكة لايدخلها الطاعون و لا الدجال“(بخاری ۱۸۸۰، مسلم ۱۳۷۹)

”مدینہ کے راستوں پر فرشتے مامور ہیں وہاں نہ طاعون پھیل سکتا ہے اور نہ ہی دجال داخل ہوسکتا ہے۔

انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”المدينة ياتيها الدجال فيجد الملائكة يحرسونها فلا يقربها الدجال ولا الطاعون ان شاء الله“ (بخاری ۱۳۴۷) دجال مدینہ تک آئے گا تو یہاں فرشتوں کو اس کی حفاظت کرتے ہوئے پائے گا، چنانچہ نہ تو دجال اس کے

قریب آسکتا ہے اور نہ طاعون (ان شاء اللہ)

(۵) اللہ ﷻ نے ہر اہل شر سے مدینہ منورہ کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من أراد أهل هذه البلدة بسوء أذابه الله كما يذوب الملح فى الماء (مسلم ۱۳۸۶) ''جو بھی اہل مدینہ کے ساتھ کسی شر کا ارادہ کرے، اللہ تعالیٰ اسے یوں پگھلا دے گا جس طرح نمک پانی میں پگھل جاتا ہے''۔

(۶) اللہ ﷻ نے مکہ سے دوگنی برکت مدینہ منورہ میں رکھی ہے: انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اللهم اجعل بالمدينة ضعفى ما بمكة من البركة" (بخاری ۱۸۸۵، مسلم ۱۳۶۹) ''اے اللہ! مدینہ میں مکہ سے دوگنی برکت رکھ دے''۔

(۲) زیارت مسجد نبوی:

مسجد نبوی کی زیارت بلا تحدید وقت و زمانہ ہمہ وقت مسنون ہے اور اس کی زیارت کا حج یا عمرہ سے کوئی تعلق نہیں ہے، اگر کوئی شخص مسجد نبوی کی زیارت کے بغیر اپنے شہر یا ملک واپس چلا جائے تو اس کی وجہ سے اس کے حج یا عمرہ پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

مدینہ منورہ کی زیارت کو آنے والا مسجد نبوی میں نماز و دعا کی نیت لے کر آئے، محض قبر نبوی اور دیگر قبروں کی زیات کی نیت لے کر نہ آئے، کیوں کہ روئے زمین پر مسجد حرام، بیت المقدس اور مسجد نبوی کے علاوہ کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کے لئے اجر وثواب کی نیت سے عبادت سمجھ کر سفر کرنا جائز ہو، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لا تشد الرحال إلا الى ثلاثة مساجد: المسجد الحرام و مسجدى هذا و المسجد الأقصى" (بخاری ۱۱۸۹، مسلم ۱۳۹۷) تین مساجد کے سوا کسی اور جگہ کے لئے (اجر وثواب کی نیت سے) رخت سفر باندھنا جائز نہیں ہے (۱) مسجد حرام (۲) میری یہ مسجد (۳) اور مسجد اقصیٰ۔

جب مذکورہ تین مساجد کے سوا کسی اور جگہ کا سفر بغرض اجر وثواب جائز نہیں ہے تو زیارت قبر رسول کی نیت سے مدینہ کا سفر ہرگز جائز نہ ہوگا اور جب آپ ﷺ کی قبر کی زیارت کے لئے سفر جائز نہیں تو آستانوں، مزاروں اور درگاہوں کا سفر کیسے جائز ہوسکتا ہے، لہذا آپ مسجد نبوی میں نماز و دعا کی نیت سے سفر کریں اور وہاں پہنچ کر آپ ﷺ اور آپ کے دونوں خلفاء کی قبروں نیز جنت البقیع اور شہدائے احد کی زیارت کریں اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس طرح یہ زیارت مسجد نبوی کی زیات کے تابع ہوجائے گی۔

کیوں کہ مسجد نبوی میں ایک نماز ہزار نماز کے برابر ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "صلاة فى مسجدى هذا خير

من ألف صلاۃ فیما سواہ الا المسجد الحرام" (بخاری ۱۱۹۰،مسلم ۱۳۹۴) میری مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد کی ایک ہزار نماز سے بہتر ہے، سوائے مسجد حرام کے۔

مسجد نبوی پہنچ کر دیگر مساجد کی طرح پہلے اپنا دایاں پاؤں مسجد میں داخل کریں اور یہ دعا پڑھیں:"بِسْمِ اللّٰہِ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلیٰ رَسُولِ اللّٰہِ أعُوذُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ و بِوَجْھِہِ الْکَرِیْمِ وَ سُلْطَانِہِ الْقَدِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِيْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ" (ترجمہ) اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں اور اللہ کے رسول ﷺ پر درود وسلام ہو، میں مردود شیطان سے اللہ عظیم، اس کے کریم چہرے اور قدیم سلطنت کی پناہ چاہتا ہوں، اے اللہ تو میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

مسجد میں داخل ہوتے ہی دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھیں، ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں داخل ہوا، اللہ کے رسول ﷺ صحابہ کرام کے درمیان تشریف فرما تھے، میں بیٹھ گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھنے سے کس چیز نے تمھیں روکا، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے آپ کو اور لوگوں کو بیٹھے دیکھا (اس لئے میں بھی بیٹھ گیا) آپ ﷺ نے فرمایا:''جب کوئی شخص مسجد میں آئے تو دو رکعت (تحیۃ المسجد) پڑھے بغیر نہ بیٹھے''۔(بخاری ۴۴۴،مسلم ۱۷۱۴)

مستحب یہ ہے کہ یہ دو رکعتیں روضہ شریفہ میں ادا کریں، کیوں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:"ما بین بیتی ومنبری روضة من ریاض الجنة" (بخاری ۱۱۹۵،مسلم ۱۳۹۰) میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان والا حصہ جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے۔

دو رکعت تحیۃ المسجد سے فارغ ہوکر قبر نبوی اور آپ کے دونوں ساتھی ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی قبروں کی زیارت کے لئے چلیں، قبر نبوی کے پاس پہنچ کر قبر کی جانب رخ کرکے باادب سکون وقار اور مکمل خاموشی کے ساتھ کھڑے ہوجائیں اور آپ ﷺ پر اس طرح سلام بھیجیں:"أَلسَّلَامُ عَلَیْكَ أَیُّھَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہُ ، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَ عَلیٰ آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلیٰ اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلیٰ آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ عَلیٰ آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلیٰ اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلیٰ آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ"

اور اگر یہ الفاظ کہیں تو بھی کوئی حرج نہیں، کیوں کہ یہ سب آپ ﷺ کے اوصاف حمیدہ ہی ہیں:[أَشْھَدُ أَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰہِ حَقًّا وَ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ الرِّسَالَۃَ وَ أَدَّیْتَ الْأَمَانَۃَ وَجَاھَدْتَ فِي اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہِ وَ نَصَحْتَ الْأُمَّۃَ فَجَزَاكَ اللّٰہُ عَنْ أُمَّتِكَ أَفْضَلَ مَا جَزیٰ نَبِیًّا عَنْ أُمَّتِہِ]

آپ ﷺ پر درود وسلام بھیجنے کے بعد تھوڑا سا دائیں بڑھیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سلام بھیجیں، ان کے لئے اللہ کی رضا و خوشنودی کی اور دیگر دعائیں کریں، پھر تھوڑا سا دائیں بڑھیں اور امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پر سلام بھیجیں، ان کے لئے اللہ کی رضا وخوشنودی کی اور دیگر دعائیں کریں۔ (جاری) ☆☆

تعلیمی پسماندگی کا ایک علاج یہ بھی ہے

نسیم اختر عبدالمجید سلفی
مدرس مدرسہ احمدیہ سلفیہ آرہ، بہار

حالات حاضرہ پر گہری نظر رکھنے والے اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ یہ دور امت مسلمہ کے لئے بڑا ہی حساس اور عبرتناک ہے، اگر امت خواب غفلت سے بیدار نہ ہوئی اور قائدین ملت نے ہوش وبصیرت کے ناخن نہ لئے تو مسلمانوں کو تعلیمی، معاشی اور تہذیبی طور پر سیکڑوں سال پیچھے دھکیل دیا جائے گا۔

تعلیم کسی بھی قوم کی ترقی وعروج کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کے اثرات کئی نسلوں تک ممتد ہوتے ہیں بایں ہمہ مسلم امت کو اس سلسلہ میں بیداری کا ثبوت دینا چاہئے۔

حکومت ہند نے بجا طور پر مفت تعلیم کا بندوبست کیا ہے مگر اس کا فیض ہر ہندوستانی تک نہیں پہنچ رہا ہے۔غربت اور جہالت بدستور باقی ہے، ہر شہر، ہر نگر میں نت نئے تعلیمی مراکز کھولے جارہے ہیں مگر ان سے خوش حال طبقہ ہی فائدہ اٹھا رہا ہے پس ماندہ اور خط افلاس سے نیچے زندگی گزارنے والا طبقہ نان شبینہ کے انتظام ہی میں سرگرداں رہتا ہے۔

تعلیم دن بدن مہنگی ہورہی ہے اور علم عام انسان کی دسترس سے دور ہوتا جارہا ہے، کہیں پرائیویٹ اسکول چل رہے ہیں تو کہیں مہنگی فیس والے کوچنگ سینٹرز ہیں مگر ہماری قوم کے کتنے بچے ایسے ہیں جو پرائیویٹ اسکولوں میں داخلہ لینے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ٹیوشن فیس ادا کرنے کے متحمل نہیں ہیں، ان کے پاس ذہانت اور ٹیلنٹ تو ہے مگر مالی حالت سازگار نہیں ایسے طلبہ دل برداشتہ ہوکر حالات سے سمجھوتہ لر لیتے ہیں اور بیچ میں تعلیم ترک Drop کر کے حصول معاش کی جدوجہد میں لگ جاتے ہیں۔

کیا ٹرسٹیوں، اداروں کے سرپستوں کے لئے یہ لمحۂ فکریہ نہیں کہ اگر وہ مفت تعلیم کا بندوبست کرتے تو یہ نوبت نہ آتی اور امت کو کارآمد افراد کی ایک کھیپ میسر آتی۔تاریخ نے اس واقعہ کو جلی حرفوں سے لکھا ہے کہ بادشاہ ہارون رشید نے ایک دفعہ امام دارالہجرہ مالک بن انس رحمہ الہ سے درخواست کی کہ آپ شاہی محل میں آکر میرے بچوں کو پڑھا دیا کریں، اس موقع پر امام رحمہ اللہ نے جو جواب دیا اس میں ہم سب کے لئے عبرت ہے، فرمایا: "إذا منع الخاص لبعض العام لم ينتفع الخاص" (۱) تعلیم وتعلم کو جب خاص لوگوں تک محدود کردیا جائے تو اس کا فائدہ خواص کو ہرگز نہیں پہنچے گا۔ پھر آپ نے آنے سے انکار کردیا چنانچہ دیگر تشنگان علم کی طرح بادشاہ کے بچے بھی عام مجلس میں علم حاصل کرتے اور دنیا نے دیکھا کہ ان کے علم وفضل سے کس طرح خلق کثیر کو فائدہ پہنچا۔

علم وثقافت خاص لوگوں کی ملکیت نہیں، نہ ہی مخصوص طبقہ کی اس پر اجارہ داری ہے جو بھی ذوق فراواں اور ذہن روشن رکھتا

(۱) سير أعلام النبلاء.

ہو وہ اس سے حظ وافر حاصل کرے۔

وہ کتنا مبارک ومسعود دور تھا جب مسجدیں درس گاہ ہوا کرتی تھیں، علم کے پیاسے میلوں کا سفر طے کر کے استاذ کی خدمت میں حاضر ہوتے، کبھی سوار تو کبھی پیدل پھر علم سے سیرابی حاصل کر کے فوراً اپنے وطن کو لوٹتے، نہ انہیں دنیا سے کوئی غرض اور نہ ہی دنیاداروں سے کوئی واسطہ ان ہی مقدس ہستیوں نے دین اور علم کی آبرو رکھی اور تر وتازہ ہم تک اس ورثہ کو منتقل کیا شکر الله جهودهم مگر جب سے امارت ونظامت اور عہدہ ومناصب کا شاخسانہ شروع ہوا تقدس مآب درس گاہوں کی روح نکل گئی، بوئے اخلاص جاتی رہی ورنہ انسانیت سازی اور مردم گری میں ان اداروں کی کوئی مثال نہیں جس نے ملت کے ہر طبقے کے لئے اپنے دروازے ہمیشہ کھولے رکھے۔

دور حاضر میں مفت تعلیم عام کرنے کے لئے برادران وطن کی طرح یا تو مفت کوچنگ سینٹرز کھولے جائیں، یا روزمرہ کے اوقات میں سے کچھ وقت غریب طلبہ کی رہنمائی کے لئے نکالا جائے۔

اس سلسلہ میں طلبہ کلیدی کردار ادا کر سکتے ہیں کہ وہ جس موضوع میں اختصاص رکھتے ہیں اس میں اپنے بھائیوں کی مکمل رہنمائی کریں، طلبۂ مدارس کے نام میرا یہ پیغام ہے کہ آپ اپنی چھٹیوں کا شیڈیول بنائیں اور اسکول وکالج بیک گراؤنڈ کے طلبہ کے اشتراک وتعاون سے اپنے اپنے علاقوں میں مفت تعلیمی مہم چلائیں، وہ نونہالان ملت جو تعلیم سے بالکل دور ہیں فضولیات میں وقت گزار رہے ہیں انہیں علم ومعرفت سے روشناس کرائیں، ان کے سرپرستوں کی ذہن سازی کریں، اردو وعربی جس میں ہمارا دینی تہذیبی لسانی ورثہ ہے کی بنیادی تعلیم دیں جس میں وہ بچے اردو وعربی کی حروف شناسی کے ساتھ کچھ لکھنا پڑھنا سیکھیں، دعائیں، سورتیں یاد کریں۔ واضح رہے کہ ملت کا ایک بڑا طبقہ ہندی، انگریزی میں دعائیں سورتیں یاد کرتا ہے، سیرت طیبہ اور اسلامی تاریخ کا مطالعہ ان ہی زبانوں میں کرتا ہے اس میں شک نہیں کہ وقتی طور پر ان کا کام نکل جاتا ہے مگر دینی تہذیبی وراثت سے جو محرومی ہاتھ آرہی ہے وہ کم افسوسناک نہیں۔

اسکول وکالج کے طلبہ جو ٹیوشن یا کسی بھی ذریعہ سے نصابی مضامین کی تیاری کرتے ہیں وہ اپنا مطالعہ ومعلومات مفلوک الحال طلبہ کے ساتھ شیئر کریں اس طرح سے مل جل کر جہالت کو شکست دیں اور ملک عزیز میں پیش آنے والے مسائل ومشکلات اور چیلنجز کا علم وبصیرت کی روشنی میں مقابلہ کریں، محض سرکاری نظر کرم کے منتظر نہ رہیں کہ سرکاریں بدلتی رہتی ہیں اور سرکاری مراعات کی تنفیذ میں ایک نسل گزر جاتی ہے ﴿إن الله لا يغير ما بقوم حتى يغيروا ما بأنفسهم﴾ (الرعد:۱۱) خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا۔

قوم مسلم میں فکر وخیال کی پستی کا یہ عالم ہے کہ قومی سطح پر اگر ہمارا ایک فرد آئی اے ایس، آئی پی ایس کوالیفائی کر لے تو ہم اسی کو بہت بڑی کامیابی سمجھتے ہیں عرصہ تک وہ موضوع بحث بنا رہتا ہے اور ہماری نظر اس بڑی اکثریت کی طرف نہیں جاتی جو جہالت کی گود میں سو رہی ہے۔

تا کے تغافل میں رہے گا مسلم ہوش میں آ کہ ذرا دیکھ تو پستی اپنی
پائے تحقیر سے ٹھکراتی ہے دنیا تجھ کو اور تو بھول گیا قوم پرستی اپنی

☆☆☆

اس شہر میں ہر شخص پریشان سا کیوں ہے؟

طارق اسعد
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

خوشحالی کا فارمولا کیا ہے؟ انسانی زندگی میں راحت کیوں کر میسر آسکتی ہے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر شخص چین وسکون کی تلاش میں سرگرداں ہے، ہر کوئی چاہتا ہے کہ اس کی زندگی میں آرام ہو، بھاگ دوڑ کی زندگی سے نجات ملے، خوشیوں کے مواقع میسر ہوں۔ لیکن کیا اس پر کبھی غور کیا گیا کہ اس کا علاج کیا ہے؟ کس طرح سے چین وسکون میسر آسکتا ہے اور کیوں کر راحت نصیب ہوسکتی ہے؟

آپ دیکھیں گے کہ غریب افراد امیروں کی زندگی پر بڑی حسرت بھری نگاہ ڈالتے ہیں، ان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ کاش وہ بھی ان کی طرح دادعیش دیں، ان کے پاس بھی مال وزر کی فراوانی ہو، جب کہ دولت مند افراد یہ تمنا کرتے ہیں کہ کاش غریبوں کی طرح انہیں ایک لمحہ کا سکون بھی میسر ہوجائے۔ کسی فلسفی نے لکھا ہے کہ امیر افراد اپنے دولت کدوں میں یہ سوچتے ہیں کہ غریب اپنی چھوٹی سے کٹیا میں دنیا سے الگ ہوکر بالکل چین کی زندگی گذار رہا ہے، یہ خیال اتنا ہی غلط ہے جتنا غریب یہ سمجھتے ہیں کہ دولت مند حضرات اپنے محلات میں سکون کی زندگی گذار رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ امیر اور غریب دونوں چین وسکون کی تلاش میں یکساں سرگرداں ہیں ؎

دنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کر دیا تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے

یہاں ایک نکتہ قابل غور ہے کہ چین اور سکون کا تعلق دولت سے ہرگز نہیں ہے، ایک آدمی اگر دنیا بھر کی دولت اکٹھا کرلے تو اس بات کی کوئی گارنٹی نہیں کہ اسے سکون اور راحت میسر ہوجائے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ایک غریب شخص ہمہ وقت بے سکون رہے، گویا خوشحالی اور فارغ البالی میں سیم وزر کا دخل نہیں۔ دوسری بات یہ کہ مال ودولت کی حرص ایسی ہے کہ انسان کی نگاہیں ہمیشہ زیادہ سے زیادہ پر لگی رہتی ہیں اور ”هل من مزيد“ کی تلاش میں وہ ہمہ وقت سرگرداں رہتا ہے۔ حصول دولت کی یہ ہوس ایسی ہے جو انسان کا چین وسکون غارت کردیتی ہے اور اسے ایک لحظہ کے لیے بھی آرام سے نہیں بیٹھنے دیتی ”لو كان لابن آدم واديان من ذهب لابتغى ثالثا ولا يملأ جوف ابن آدم الا التراب“ (مسند احمد، صحیح الجامع: ۵۲۸۸) اگر انسان کو دو پہاڑ بھر سونا بھی مل جائے تو وہ تیسرے کی تلاش میں رہے گا، حالانکہ انسان کا پیٹ صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے۔“

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مال ودولت کو کبھی امن وسکون اور قلبی راحت کا ذریعہ نہیں بتایا ہے اور مال ودولت کی فراوانی کو خوشحالی سے نہیں جوڑا ہے، اسلام اس بات کی تلقین کرتا ہے کہ خدا کی دی ہوئی دولت پر اگر انسان قناعت کرلے جائے تو اسے حقیقی خوشحالی اور سکون کی دولت نصیب ہوسکتی ہے، ”أرض بما قسم الله لك تكن أغنى الناس“ (صحیح الجامع: ۸۷۳۴) اللہ کی تقسیم پر راضی ہو جاؤ، لوگوں میں سب زیادہ بے نیاز ہوجاؤ گے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کو اپنی امت کے تئیں فقر وفاقہ کا خوف نہیں تھا بلکہ آپ کو یہ ڈر تھا کہ مسلمانوں پر دولت کے دروازے کھل جائیں گے تو پھر اس کے حصول کے لیے وہ مقابلہ آرائی کریں گے اور یہی منافست ان کی تباہی کا سبب بنے گی۔ (صحیح الجامع: ۵۵۲۳)

انسان کی خوشحالی اور امن وسکون کی زندگی میں اس وقت خلل پڑتا ہے جب وہ اپنا موازنہ دوسروں سے کرنا شروع کر دیتا ہے کہ فلاں شخص کے پاس تو اتنا مال ہے، اس کے پاس اتنی گاڑیاں ہیں، اس کی اتنی تنخواہ ہے، اس کی اتنی جائداد ہے، اور پھر وہ یہ سوچ کر کڑھتا رہتا ہے اور اپنی زندگی سے بیزار ہو جاتا ہے، اس کی خواہش ہوتی ہے کہ میں بھی فلاں کی طرح مال دار ہو جاؤں اور اس کی طرح سے بینک بیلنس بناؤں، قرآن کہتا ہے:﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَى مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجاً مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَى﴾ (طہٰ:۱۳۱)

اپنی نگاہیں ہرگز ان چیزوں کی طرف نہ دوڑانا جو ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو آرائش دنیا کی دے رکھی ہیں تا کہ انہیں اس میں آزمالیں، تیرے رب کا دیا ہوا ہی (بہت) بہتر اور بہت باقی رہنے والا ہے۔

اسی نکتے کی تشریح آپ ﷺ نے کچھ یوں فرمائی:" انظروا إلى من هو أسفل منكم ولا تنظروا إلى من هو فوقكم فهو أجدر أن لا تزدروا نعمة الله عليكم" (صحیح الجامع:۱۵۰۷)

اپنے سے کمتر کو دیکھو نہ کہ خود سے برتر کو، اس لیے کہ یہ زیادہ قریب ہے کہ تم اس کے سبب اللہ کی نعمت کو حقیر نہ سمجھو گے۔

ظاہر بات ہے کہ ایک شخص جب بینک بیلنس میں اور اسٹیٹس میں خود سے کمتر کو دیکھے گا تو اس کے اندر شکر کا مادہ پیدا ہوگا اور اس بات پر وہ خوش ہوگا کہ اللہ نے مجھے فلاں سے زیادہ مال واسباب مہیا کیے ہیں، اس کے برعکس خود سے زیادہ والے کو دیکھے گا تو اس کے اندر ناشکری کا مادہ پیدا ہوگا کہ فلاں کو اتنا دیا گیا ہے تو میرے ساتھ ایسا کیوں؟ ایک دیگر روایت میں ہے کہ جب تم مال ودولت اور حسب ونسب میں اپنے سے برتر کو دیکھو تو فوراً اپنے سے کمتر پر نظر ڈال لو، ایک اور روایت میں ہے کہ "كن ورعا تكن أشكر الناس"(الصحیحة:۹۲۷) حضرت علی کی طرف منسوب ایک شعر ہے:

العيش لا عيش إلا ما قنعت به   قد يكثر المال والإنسان مفتقر

اصل زندگی وہی ہے جس پر تم قناعت کر جاؤ، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مال واسباب کی فراوانی ہوتی ہے پھر بھی انسان محتاج ہوتا ہے۔

ایک انسان کی پوری زندگی خوب سے خوب تر کی جستجو میں گذر جاتی ہے لیکن اسے اس کا ہدف کبھی نہیں حاصل ہو پاتا، یہاں تک کہ ''هل من مزيد'' کی تلاش میں وہ ان چیزوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے جو پہلے اس کے پاس موجود ہوتی ہیں یعنی لاموجود کی تلاش میں موجود سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، ایک انگریز مفکر Pearl S Buck کا کہنا ہے کہ ''اکثر لوگ بڑی خوشیوں کی امید میں چھوٹی چھوٹی خوشیاں بھی کھو دیتے ہیں۔'' رابندر ناتھ ٹیگور کہتے ہیں کہ قناعت یہی ہے کہ آدمی موجود چیزوں پر اکتفا کرلے اور مفقود چیزوں کی خواہش ترک کر دے۔

جسے کہتی ہے دنیا کامیابی وائے نادانی   اسے کن قیمتوں پر کامیاب انسان لیتے ہیں

چنانچہ انسان کو یہ حقیقت ہمیشہ مدنظر رکھنی چاہیے کہ خوشی اور امن وسکون کا تعلق مال ودولت کی فراوانی سے ہرگز نہیں ہے، اگر ایک شخص اپنی موجودہ زندگی سے راضی ہو جائے اور خدا کی دی ہوئی نعمت پر قناعت کر جائے تو اسے حقیقی سکون میسر ہو سکتا ہے، وہ سکون جس کی تلاش میں وہ قریہ قریہ، گاؤں گاؤں گھومتا ہے، کتابوں اور مجلسوں میں تلاش کرتا ہے، کوٹھوں اور مے خانوں کے چکر لگاتا ہے، قسم قسم کے نسخے آزماتا ہے۔

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی، جو اماں ملی تو کہاں ملی   مرے جرم خانہ خراب کو تیرے عفو بندہ نواز میں ☆☆

طہارت ووضو کے بعض اہم مسائل

محمد عبداللہ عبداللہ سعود

اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے، اس دین میں انسانی زندگی کے تمام ضروری احکام موجود ہیں، چاہے ان کا تعلق نکاح وطلاق سے ہو یا قضائے حاجت سے، سب کی رہنمائی ہمارے دین میں موجود ہے۔

اس دین میں اللہ تعالی کی عبادت مختلف طریقوں سے کی جاتی ہے بلکہ جو بھی کام اللہ تعالی کی رضا اور اس کی خوشنودی کے لئے کیا جائے وہ عبادت شمار ہوتا ہے۔

نماز، حج، روزہ اور زکاۃ وغیرہ عبادت کے خاص مظاہر ہیں، نماز کے لئے طہارت ضروری ہے، طہارت یعنی وضو اور غسل میں لوگ عموماً ایسی غلطیاں کر بیٹھتے ہیں جس سے وضو یا غسل ناقص رہ جاتا ہے۔

چھوٹے بچوں کی شرمگاہ چھونا اور پھر وضو نہ کرنا:

چھوٹے بچوں کے کپڑے تبدیل کرنے یا ان کی صفائی کے وقت بسا اوقات ماں کا ہاتھ ان کی شرمگاہ پر پڑ جاتا ہے، اگر اس نے وضو کر رکھا ہے تو اس سے ماں وضوٹوٹ جاتا ہے۔

اللجنة الدائمة کے اراکین سے سوال ہوا کہ بچوں کی صفائی اور ان کے کپڑے تبدیل کرنے کے وقت اگر شرمگاہ میں ہاتھ لگ جائے تو کیا وضوٹوٹ جاتا ہے؟

جواب دیا: اگر درمیان میں کوئی چیز حائل نہ ہو تو بے شک وضوٹوٹ جاتا ہے خواہ بچہ چھوٹا ہو یا بڑا، کیونکہ اللہ کے نبی کا فرمان ہے "من مس فرجه فليتوضأ" جو اپنی شرمگاہ چھوئے وہ دوبارہ وضو کرے۔

چھونے والے کی شرمگاہ اور جس کی چھو رہا ہو اس کی شرمگاہ دونوں حکم میں برابر ہیں۔(۱) یعنی جس طرح اپنی شرمگاہ سے وضوٹوٹ جاتا ہے اسی طرح دوسری کی شرمگاہ چھونے سے بھی وضوٹوٹ جاتا ہے۔

بیت الخلاء میں دخول اور خروج کے وقت دعاؤں کا اہتمام نہ کرنا:

بیت الخلاء میں داخل ہونے کے وقت پہلے بایاں پاؤں آگے بڑھائے اور "بسم الله أعوذ بالله من الخُبُثِ والخَبَائِثِ" پڑھے اور باہر نکلنے پر دایاں پاؤں باہر نکالے اور "غفرانك" پڑھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی نے فرمایا:

(۱)(فتاوی اللجنة الدائمة:۵/۲۶۵)

"ستر ما بين الجن وعورات نبى آدم إذا دخلوا الكنيف أن يقولوا بسم الله"(۱) انسان جب بیت الخلاء میں داخل ہوتا ہے تو بسم اللہ کہنے سے جنوں اور اس کی شرمگاہ کے درمیان پردہ حائل ہوجاتا ہے۔

وضو سے پہلے بسم اللہ نہ پڑھنا:

بعض افراد وضو کے شروع میں بسم اللہ نہیں پڑھتے، جبکہ وضو سے قبل بسم اللہ پڑھنے کا حکم حدیثوں سے ثابت ہے۔ ابو ہریرہ، ابو سعید خدری اور سعید بن زید رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہ اس حدیث کے راوی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ ہیں:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا صلاة لمن لا وضوء له ولا وضوء لمن لم يذكر اسم الله عليه"(۲) اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس کا وضو درست نہیں اس کی نماز نہیں ہوتی اور جس نے وضو سے قبل بسم اللہ نہیں پڑھا اس کا وضو صحیح نہیں۔

اعضاء وضو کو تین بار سے زیادہ دھونا:

بعض لوگ اعضاء وضو تین بار سے زیادہ دھوتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس کے بغیر ان کا وضو پورا نہیں ہوتا، یہ بات قطعاً درست نہیں، بلکہ یہ تو پانی کی فضول خرچی اور شیطانی وسوسہ کی وجہ سے ہے اور اللہ کے رسول نے اس سے منع فرمایا ہے۔

☆☆☆

(۱)(سنن ترمذی، کتاب أبواب الصلاة:٦٠٦، سنن ابن ماجة، کتاب الطهارة:٢٩٧. شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور اسے صحیح احادیث میں شمار کیا ہے، الإرواء: ۱/ ۸۸-۸۹)

(۲)مسند احمد :۲/ ٤١٨، سنن ابو داود:کتاب الطهارة، باب التسمية على الوضوء:۱/ ۲٥

بزم طلبہ

آداب اختلاف اسلام کی نظر میں

مسعود رانا مفیض الرحمٰن
فضیلت سال دوم

بلا شبہ لوگوں کی طبیعتیں، ان کے رجحانات اور فہم وادراک مختلف ہیں جس سے ان کے مابین متعدد موضوعات اور مسائل میں اختلاف کا وقوع پذیر ہونا ایک فطری امر ہے، لیکن جب اختلاف ادب واحترام اور اصول وضوابط کے دائرے سے خارج ہو جائے تو وہ قابل مذمت ہے، یہی وہ اختلاف ہے جو خطرناک مرض کی طرح امت مسلمہ کو لاحق ہوا ہے، اور اس سے اخلاق وعمل اس قدر متاثر ہوا کہ الگ الگ جماعتیں اور فرقے وجود میں آگئے، حالانکہ اسلام اس اختلاف کی مذمت کرتا ہے۔

اختلاف کی حقیقت، اس کے اسباب، حدود وضوابط کیا ہیں؟ کہاں تک اس کی گنجائش ہے؟ زیر نظر مضمون انہیں مباحث پر مشتمل ہے۔

اختلاف کی لغوی اور اصطلاحی تعریف: اختلاف لغت میں اتفاق کی ضد ہے، اور یہ باب افتعال کا مصدر ہے، خلف سے ماخوذ ہے۔(۱)

اصطلاحی تعریف: اختلاف کی تعریف جیسا کہ علامہ جرجانی رحمہ اللہ کی ہے: "منازعة تجرى من المتعارضين لتحقيق حق وإبطال باطل"(۲) اختلاف وہ آویزش ہے جو دو فریق کے درمیان اثبات حق اور باطل کے لیے ہو۔

اسباب اختلاف:

(۱) لوگوں کے فہم وادراک اور ان کی عقلی صلاحیتوں کا متفاوت ہونا۔

(۲) لوگوں کے اغراض ومقاصد کا متفاوت ہونا۔

(۳) دلیل کے الفاظ میں ابہام واجمال۔

(۴) دو دلیلوں میں تعارض اور ان کی تطبیق وتوفیق یا ایک کو دوسری دلیل پر ترجیح دینے میں اختلاف۔

(۵) دلیل کے منسوخ ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف۔

(۶) دلیل کی صحت میں بایں طور پر اختلاف کہ ایک فریق اسے قابل استدلال تصور کرتا ہے جبکہ دوسرا نا قابل احتجاج گردانتا ہے۔

---

(۱) الموسوعة الفقهية: ۲/ ۲۹۱ (۲) كتاب التعريفات: ۱۰۱

(۷)اصولی ضابطہ میں اختلاف۔

(۸) مناط حکم میں اختلاف۔(۱)

اختلاف کے اقسام: اختلاف کو تین قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے(۱)اختلاف مذموم(۲)اختلاف ممدوح(۳)اختلاف جائز۔

اختلاف مذموم: اس کی بہت سی صورتیں ہیں جن میں سے بعض بعض سے زیادہ قابل مذمت ہیں مثلاً:

(۱)مومن و کافر کا اختلاف، اسی بارے میں ارشاد ربانی ہے﴿ھذا خصمان اختصموا فی ربھم﴾(۲)یعنی یہ دو فریق جو اپنے رب کے بارے میں ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔

(۲) بدعتیوں اور نفس پرستوں کا اختلاف مثلاً خوارج اور ان جیسے لوگوں کا اختلاف جنھوں نے مسلمانوں کی جماعت کے خلاف بغاوت کی اور ان کا خون جائز قرار دیا ہے۔

(۳) یہ اعتقاد جازم (جس پر تقلید آمادہ کرتی ہے) کہ مذہب مخالف قطعاً باطل ہے، یہاں تک کہ اس کی بنیاد پر ایک کو دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنا گوارا نہ ہو، حالانکہ اختلاف چند اجتہادی مسائل میں ہوتا ہے۔

اختلاف ممدوح:

اس اختلاف سے مراد اہل کتاب، مشرکین اور فاسقوں کے تیوہاروں اور ان کی شکل وصورت کی مخالفت کرنا ہے، اور یہ قابل تعریف اور مطلوب بھی ہے۔

اختلاف جائز:

اس سے مراد اجتہادی مسائل میں مجتہدین یعنی فقہاء ومفتیان کا اختلاف ہے جیسا کہ فرمان نبوی ﷺ ہے "إذا حکم الحاکم فاجتھد ثم أصاب فلہ أجران، وإذا حکم فاجتھد ثم أخطأ فلہ أجر" (۳)یعنی جب حاکم فیصلہ کرتے وقت اجتہاد کرے پھر درستگی کو پہنچ جائے تو اس کے لیے دو اجر ہے، اور جب وہ غلطی کرے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔

یہ صحیح حدیث مجتہد سے چوک ہونے کے امکان کی واضح دلیل ہے، اور چوک ہونے کا مطلب اختلاف کا ہونا، پھر مخالف کے لیے اجر کا ثبوت اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اختلاف جائز ہے۔(۴)

اسلام میں آداب اختلاف:

قرآن کریم اور سنت نبویہ نے بحث وگفتگو کے آداب کو ملحوظ رکھنے اور مخالفین کے ساتھ گرچہ وہ غیر مسلم کیوں نہ ہوں عمدہ اخلاق کا مظاہرہ کرنے پر حد درجہ زور دیا ہے جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

---

(۱)أسباب اختلاف الفقھاء:۲٤ (۲)سورۃ الحج:۱۹

(۳)صحیح البخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ (٦۹۱۹) صحیح مسلم، کتاب الأقضیۃ (۱۷۱٦)

(٤)ادب الخلاف لصالح بن عبداللہ:۱۱–۱۳

(۱)﴿لا تستوى الحسنة ولا السيئة ادفع بالتى هى أحسن فإذا الذى بينك وبينه عداوة كأنه ولى حميم﴾(۱) نیکی وبدی برابر نہیں ہوتی، برائی کو بھلائی سے دفع کرو، پھر وہی جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے ایسا ہوجائے گویا کہ دلی دوست۔

(۲)﴿ولا تجادلوا أهل الكتاب إلا بالتى هى أحسن﴾(۲) اہل کتاب کے ساتھ بحث ومباحثہ نہ کرو، مگر اس طریقہ پر جو عمدہ ہو۔

(۳)﴿فقولا له قولا لينا لعله يتذكر ويخشى﴾(۳) اسے نرمی سے سمجھاؤ کہ شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے۔

(۴)﴿وقولوا للناس حسنا﴾(۴) اور لوگوں سے اچھی بات کرو۔

اس آیت کے ذکر کے بعد امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت عمدہ اخلاق پر ابھارتی ہے، لہٰذا لوگوں کو چاہئے کہ جب وہ کسی سے بات کریں تو نرم لب ولہجہ اختیار کریں، یا جب وہ کسی سے ملاقات کریں تو خندہ رو ہوں خواہ وہ بدعتی ہو یا سنی، خواہ وہ صالح ہو یا فاسق۔(۵)

نبی ﷺ کا فرمان ہے:

(۱)"سباب المسلم فسوق وقتاله كفر"(۶) کسی مسلم کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے جھگڑا کرنا کفر ہے۔

(۲)"لا يؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه ما يحب لنفسه" (۷) تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہ شے پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

(۳)"ما من شىء أثقل فى ميزان المؤمن يوم القيامة من خلق حسن وإن الله ليبغض الفاحش البذى" (۸) قیامت کا دن مومن کے میزان میں اخلاق حسنہ سے بھاری کوئی چیز نہیں ہوگی، اور اللہ تعالی بے حیا، بدزبان سے نفرت کرتا ہے۔

یہ آیات کریمہ واحادیث شریفہ آداب خلاف کی ایک ایسی راہ دکھلاتی ہیں جس پر تمام مسلمانوں کو عموماً اور اہل علم وفضل کو خصوصاً گامزن ہونا ضروری ہے، تاکہ مختلف فیہ امور میں جب یہ مخالفین سے ہم کلام ہوں تو آداب گفتگو اور اس کے اصول وضوابط کا لحاظ رکھیں، اور بدکلامی وفحش گوئی سے اجتناب کریں، دلائل کو اس انداز سے پیش کریں جس سے اخوت ومحبت جھلکتی ہو۔

---

(۱)سوره فصلت:۳٤ (۲)سورة العنكبوت:٤٦ (۳)سورة طه:٤٤

(٤)سورة البقرة:۸۳ (٥)تفسير القرطبى:۲/۱٦

(٦)صحيح البخارى، كتاب الإيمان(٤٨)صحيح مسلم، كتاب الإيمان(٦٤)

(٧)صحيح البخارى، كتاب الإيمان(١٣)صحيح مسلم، كتاب الإيمان(٤٥)

(٨)سنن الترمذى، كتاب البر والصلة عن رسول الله ﷺ (٢٠٠٢) صححه الألبانى رحمه الله

عہد رسالت میں آداب اختلاف:

رسول اللہ ﷺ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ اس امت کی بقاء اتفاق واتحاد میں ہے، اسی لیے آپ ﷺ اختلاف سے روکتے تھے "لا تختلفوا فتختلف قلوبکم"(۱)

اگر اس کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین اختلاف ہوا تو نبی کریم ﷺ اس پر تنبیہ فرمائی۔

عہد رسالت میں اختلاف کے جو واقعات پیش آئے، ان سے درج ذیل نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں:

(۱) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حتی الامکان یہ کوشش ہوتی تھی کہ اختلاف پیدا نہ ہو اسی لیے فروعی امور میں زیادہ گفتگو کے بجائے ہدایات نبوی ﷺ کی روشنی میں مسائل کا حل تلاش کر لیا کرتے تھے۔

(۲) اگر کسی معاملے میں اختلاف ہو جاتا تو کتاب اللہ وسنت رسول ﷺ کی طرف فوراً رجوع کرتے جس سے ان کا سارا اختلاف ختم ہو جاتا۔

(۳) اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کے آگے وہ فوراً جھک جاتے اور اس کا التزام کرتے تھے۔

(۴) جن امور میں تاویل ممکن ہوتی ان میں رسول ﷺ ان کی تصویب فرماتے تھے، ہر صحابی کو یہ احساس رہتا تھا کہ اس کے بھائی کی رائے بھی اسی طرح درست ہو سکتی ہے جیسے اس کی نظر میں اپنی رائے درست اور برحق ہے، اسی لیے وہ ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے اور تعصب رائے سے دور رہتے تھے، اچھی طرح گفتگو کرتے تھے، جارحانہ الفاظ سے اجتناب کرتے تھے۔(۲)

عہد صحابہ میں آداب اختلاف:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اندر بہت سے امور میں اختلاف تھا اس کے باوجود ان لوگوں نے مخالفین کے ساتھ حسن تعامل، عمدہ اخلاق اور ادب عالی کی بہترین مثال قائم کی، بعض اہم اختلافی معاملات یہ ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو دربار میں طلب کیا جس کا شوہر غائب تھا، اور اس کے یہاں لوگوں کی آمد ورفت تھی، قاصد نے عورت سے جا کر کہا کہ چل کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جواب دو، اس نے کہا: ''ہائے تباہی! عمر سے کیا مطلب، پھر ان کی طرف جب چلی تو خوف وگھبراہٹ سے راستے ہی میں دردزہ شروع ہو گیا اور وہ ایک گھر میں داخل ہو گئی جہاں اس نے ایک بچہ جن دیا جو چیخ کر وہیں مر گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اصحاب رسول سے اس سلسلے میں مشورہ کیا، بعض نے کہا: کہ آپ پر کچھ نہیں، کیونکہ آپ نظام درست رکھنے والے حکمراں میں سے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ خاموش تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی طرف متوجہ ہو کر کہا: کہ آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے فرمایا: اگر ان حضرات نے اپنی رائے ظاہر کی ہے تو ان کی رائے غلط ہے، اگر آپ کی رضامندی کے لیے ایسا کیا ہے تو یہ آپ کے خیر خواہ نہیں ہیں، میرا خیال ہے کہ اس بچہ کی دیت آپ پر ہے، کیونکہ آپ ہی

(۱) صحیح مسلم (۴۳۲) (۲) أدب الاختلاف فی الإسلام ۴۸-۴۹ ملخصاً

کی وجہ سے اس نے خوف زدہ ہوکر بچہ جن دیا، یہ سن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اس بچے کی دیت اس کی قوم میں تقسیم کردی جائے۔(۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین ہوتے ہوئے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صائب رائے قبول فرمالی اور ان کے اجتہاد پر مکمل عمل کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اختلاف:

بہت سے مسائل میں ان دونوں کے درمیان اختلاف تھا مثلاً ابن مسعود رضی اللہ عنہ رکوع میں اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں کے درمیان کر لیتے تھے اور گھٹنوں پر رکھنے سے روکتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے تھے اور تطبیق سے روکتے تھے اور اسی طرح ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ فرماتے تھے کہ اگر کوئی اپنی بیوی سے کہے "أنت علي حرام" تو یہ قسم ہے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ یہ ایک طلاق ہے۔(۲)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اعلام الموقعین میں لکھا ہے: ''ان کے درمیان سو مختلف فیہ مسائل تھے، اس کے باوجود ان دونوں حضرات کی باہمی محبت اور عزت واحترام میں کوئی کمی نہیں آئی''۔(۳)

ائمہ مسلمین کے اختلاف کے چند نقوش:

ائمہ عظام کے درمیان فروعی مسائل اور بعض اصولی میں بھی بڑا اختلاف تھا، لیکن اس اختلاف کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی اتباع اور افہام وتفہیم تھی، اور وہ لوگ اس سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کی روش پر گامزن تھے، ذیل میں بعض اختلافی امور کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات نمایاں ہے کہ ہر ایک کے اصول وضوابط میں جو فرق ہے اس وجہ سے امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے درمیان کافی اختلاف ہے، اس کے باوجود ایک دوسرے کے احترام میں کوئی چیز مانع نہ ہوں اور اختلاف مسائل کے باوجود دونوں ایک دوسرے کا احترام کرتے تھے۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ امام لیث بن سعد نے کہا: ایک روز میں نے مدینہ طیبہ میں امام مالک سے ملاقات کی۔ میں نے دیکھا کہ آپ اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھ رہے ہیں، انہوں نے فرمایا: اے مصری! ابوحنیفہ سے گفتگو کرکے میں پسینہ پسینہ ہو گیا وہ واقعی فقیہ ہیں، امام لیث نے کہا: اس کے بعد میں نے امام ابوحنیفہ سے ملاقات کرکے کہا: اس شخص (امام مالک) نے آپ کے بارے میں کتنی اچھی بات کہی، تو آپ نے فرمایا: صحیح جواب اور بھرپور تنقید میں ان سے تیز خاطر میں نے نہیں دیکھا۔(۴)

امام مالک اور امام شافعی:

امام شافعی کہتے ہیں: مالک بن انس میرے استاد ہیں، ان سے میں نے علم حاصل کیا، علماء کا جب ذکر کیا جائے تو وہ

(۱)صحیح مسلم، باب دية الجنين(١٦٨٢) (٢)الإحكام فی أصول الأحكام:١/ ٦١
(٣)إعلام الموقعين:٢/ ٢١٨ (٤)الانتقاء فی فضائل الأئمة الثلاثة الفقهاء:٤٣

ستارہ ہیں، میرے نزدیک ان سے زیادہ کوئی قابل اطمینان نہیں۔امام شافعی یہ بھی کہتے ہیں:''جب مالک کے پاس سے حدیث آئے تو اسے مضبوطی سے تھام لو، ان کو جب حدیث میں شک ہوتا ہے، تو اسے مکمل ترک کردیتے ہیں۔(۱)

امام شافعی کے شاگرد یونس بن عبدالاعلی فرماتے ہیں:''کہ میں نے امام شافعی سے زیادہ عقل مند شخص کو نہیں دیکھا، ایک دن ہمارے درمیان کسی مسئلہ میں اختلاف واقع ہوا، پھر ہم دونوں جدا ہوگئے، جب ان سے میری دوبارہ ملاقات ہوئی تو انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا: اے ابوموسیٰ! کیا ہم دونوں بھائی نہیں ہیں اگرچہ ہمارے درمیان کسی مسئلہ میں اتفاق نہ ہو۔(۲)

عباس بن عبدالعظیم العنبری فرماتے ہیں: کہ میں ایک دن احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے ساتھ تھا، آپ کے یہاں علی بن مدینی رحمہ اللہ کسی سواری پر تشریف لائے اور دونوں کے درمیان مبشرین جنت کے لیے جنت کی شہادت کے سلسلے میں مناظرہ ہوااور دونوں کی آواز بلند ہوگئی، یہاں تک کہ دونوں کے مابین کشیدگی واقع ہونے کا خوف لاحق ہوا، امام احمد رحمہ اللہ شہادت کے قائل تھے اور علی بن مدینی رحمہ اللہ اس کا انکار کررہے تھے، جب علی بن مدینی رحمہ اللہ نے رجوع کا ارادہ کیا تو امام احمد رحمہ اللہ فوراً اٹھ کر احترام میں ان کی سواری پکڑلی۔(۳)

خلاصۂ کلام:

انسان کے عقل وفہم مختلف ہونے کی وجہ سے اختلاف کا واقع ہونا ایک بدیہی امر ہے، لیکن اختلاف سے حتی الامکان پرہیز کرنا چاہئے اور یہ چند باتوں کے ذریعہ ممکن ہے مثلاً:

(۱) ہرایک کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے اسلامی بھائی چارہ کو ترجیح دینا۔

(۲) اپنے بھائیوں کی تنقید یا ان کے خیالات کا کشادہ دلی کے ساتھ استقبال کرنا۔

(۳) جارحانہ کلمات اور عیب جوئی وطعنہ زنی سے پرہیز کیا جائے اور بہترین گفتگو اور اسلامی ادب کا التزام کیا جائے۔

(۴) تعصب کی عینک اتار کر کے صرف اور صرف کتاب اللہ وسنت رسول ﷺ کی اتباع اور شریعت کی افہام وتفہیم یہی اختلاف کا مقصود ہو۔

☆☆☆

(۱)الانتقاء فی فضائل الأئمة الثلاثة الفقهاء:۵۵

(۲)سیر أعلام النبلاء:۱۰/۱۶

(۳)جامع بیان العلم وفضله:۲/۹۶۸

عالم اسلام

ظل الرحمٰن سلفی رسنٹرل لائبریری

منشیات کے خلاف جنگ جہاد ہے، مفتی اعظم سعودی عرب

سعودی عرب کے مفتی اعظم اسلامک ریسرچ وافتاء کونسل کے چیئرمین الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ آل الشیخ نے منشیات پر بندش اور مؤثر اقدامات کے لیے مزید فعال اور متحرک ہونے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ ''منشیات کے خلاف جنگ ''جہاد'' ہے۔ ذرائع کے مطابق سعودی مفتی اعظم کا کہنا ہے کہ ''قات'' منشیات ہی کی ایک قسم ہے۔لہذا دیگر نشہ آور اشیاء کی طرح اس کا بھی استعمال اور تجارت حرام ہے۔انھوں نے مزید کہا کہ منشیات کے نتیجے میں انسانی عقل اور جسمانی صلاحیتیں تباہ ہوجاتی ہیں، جو بالخصوص سعودی سماج کے لیے زہر قاتل ہے۔ریاست کے تمام اداروں اور عوام کو مل کر اس زہر کے انتشار کو روکنا ہوگا۔

دراصل ریاض میں ''منشیات کی روک تھام اور اس کے شرعی پہلو'' کے عنوان کے تحت منعقدہ ایک سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے سعودی مفتی اعظم نے کہا کہ منشیات انسانی تباہی کا منصوبہ ہے اور اس کے خلاف جنگ جہاد ہے۔(اردو نیوز آن لائن)

سوشل میڈیا نے انسانی اقدار کو تباہ کیا: امام کعبہ الشریم

امام کعبہ الشیخ ڈاکٹر سعود الشریم نے کہا سوشل میڈیا جہاں ایک طرف عوام الناس میں بیداری اور شعور کے فروغ میں مدد ومعاون ثابت ہورہا ہے، وہیں دوسری جانب اس کا نہایت ہی خطرناک اور تباہ کن پہلو یہ ہے کہ اس نے اسلامی اور معاشرتی روایات کو تہ وبالا کرڈالا ہے۔امام محترم نے مزید کہا کہ مال ودولت اور جدید آلات ووسائل بھی اللہ کی نعمتیں ہیں، مگر ہمارا ان آلات کا غلط استعمال بھی اسلامی روایات واقدار کے لیے تباہ کن ہے۔اس منفی پہلو نے نوجوان نسلوں کے دل ودماغ اور بصارت وسماعت ہر چیز پر منفی اثرات مرتب کیے ہیں اور ہم اپنی دینی اور معاشرتی روایات کو فراموش کرتے جارہے ہیں۔(وقت نیوز آن لائن)

ترکی میں دارالافتاء کی جانب سے قابل رشک پیش رفت:

جنوبی ترکی میں ایک دارالافتاء کی جانب سے ایک نہایت خوش اقدام عمل میں آیا ہے کہ فرائض میں مسابقت کے لیے انعامات کی تقسیم عمل میں آئی۔واقعہ یہ ہے کہ گذشتہ دنوں سات سے سترہ سالہ عمر کے لڑکوں کے درمیان اسّی سائیکل کی مفت تقسیم کرکے انعامات سے نوازا گیا۔یہ وہ بچے تھے جو مکمل چالیس دن مقامی مسجد میں باجماعت نماز کی ادائیگی کرتے رہے، جس کے لیے ان کی مسجد میں باقاعدہ حاضری کا اہتمام تھا، نمازوں کی پابندی کے ساتھ ادائیگی سے متعلق یہ وہ اعلان تھا جو مقامی دارالافتاء کی جانب سے جاری کیا گیا تھا کہ جو بچہ چالیس دن باجماعت پابندی کے ساتھ مسجد میں نماز ادا کرے گا، اسے بطور ہدیہ وتحفہ ایک سائیکل دی جائے گی۔اس میں جملہ ایک سو بیس بچوں نے حصہ لیا تھا، جس میں سے ۸۰ بچے اس انعام کے مستحق قرار پائے۔ترکی کے اس دارالافتاء کی جانب سے اس قسم کے اعلان کا مقصد بچوں میں نماز کی پابندی ووابستگی کو فروغ دینا ہے، تاکہ نماز کی پابندی واہتمام کرکے فضولیات اور بے ہودہ مقامات پر اپنے اوقات ضائع کرنے سے گریزاں رہیں۔اس میں کامیاب بچوں میں انعامات کی تقسیم کی غرض سے باقاعدہ ایک تقریب کا انعقاد کیا گیا اور ارباب حل وعقد کی موجودگی میں علمائے کرام کے ہاتھوں انعامات سے نوازا گیا۔(بحوالہ ''صراط مستقیم برمنگھم'') ☆

اخبار جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس

حدیث وعلوم حدیث کا نصاب تعلیم

۱۹؍فروری ۲۰۱۷ء بروز اتوار جامعہ سلفیہ بنارس میں مادہ ''حدیث وعلوم حدیث'' کے نصاب تعلیم ومنہج تعلیم مرتب کرنے والی کمیٹی کا اجتماع ہوا۔اس کمیٹی نے ۱۹؍فروری تا ۲۱؍فروری ۲۰۱۷ء (اتوار، سوموار، منگل) متعدد مجلسوں میں کافی غور وخوض اور جدوجہد کے بعد ''حدیث وعلوم حدیث'' کے نصاب ومنہج تعلیم کا ایک جامع خاکہ تیار کیا ہے۔اس کمیٹی کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) ڈاکٹر عبید الرحمٰن مدنی حفظہ اللہ	صدر
(۲) ڈاکٹر اقبال احمد بسکوہری مدنی حفظہ اللہ	رکن
(۳) ڈاکٹر عبد العزیز مبارکپوری حفظہ اللہ	رکن
(۴) مولانا علی حسین سلفی حفظہ اللہ	رکن

فقہ واصول فقہ کا نصاب:

۲؍مارچ ۲۰۱۷ء بروز جمعرات جامعہ سلفیہ بنارس میں ''فقہ واصول فقہ'' کے نصاب تعلیم ومنہج تعلیم مرتب کرنے والی کمیٹی کی نشست منعقد ہوئی۔اس کمیٹی نے ۲؍مارچ تا ۴؍مارچ ۲۰۱۷ء (جمعرات، جمعہ، سنیچر) متعدد نشستوں میں کافی غور وخوض اور دقت نظری سے ''فقہ واصول فقہ'' کا نصاب تعلیم ومنہج تعلیم مرتب کیا ہے۔اس کے اراکین حسب ذیل ہیں:

(۱) ڈاکٹر فضل الرحمٰن مدنی حفظہ اللہ	صدر
(۲) ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی عمری حفظہ اللہ	رکن
(۳) مولانا عبید اللہ طیب مکی حفظہ اللہ	رکن
(۴) مولانا علی حسین سلفی حفظہ اللہ	رکن
(۵) مولانا محمد مستقیم سلفی حفظہ اللہ	رکن

مسابقۂ حفظ حدیث:

طلبہ کے فارغ اوقات کو با مقصد اور نفع بخش بنانے،ان کے درمیان علمی منافست ومسابقت کا جذبہ پیدا کرنے اور ان کی صلاحیت وقابلیت کو وسعت وجلا بخشنے اور احکام کی احادیث کو یاد کرانے کے لیے جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس نے

۲/ جمادی الثانی ۱۴۳۸ھ موافق ۲/ مارچ ۲۰۱۷ء بروز جمعرات حفظ حدیث کا انعامی مسابقہ منعقد کیا، جس میں مرحلۂ عالمیت وفضیلت وکلیہ کے تمام طلبا کی (سوائے فضیلت سال آخر وعالم سال آخر کے طلبہ کے جن کے ذمہ مقالہ لکھنا ہے) شرکت لازمی قرار دی گئی اور الحمدللہ ۳۳۲ طلبہ نے شرکت کی۔

مسابقہ کے لیے "العمدة في الأحكام" للإمام عبد الغني المقدسي (از کتاب الطہارۃ تا باب صفۃ صلاۃ النبی ، حدیث نمبر: ۱۰۲) مقرر کی گئی، جس میں مشارکین مسابقہ سے حفظ حدیث، ترجمہ حدیث، استنباط مسائل اور راوی حدیث کی مختصر سوانح مطلوب تھی۔

مسابقہ سو نمبر کا تحریری ہوا اور کامیابی کے لیے ساٹھ نمبر مقرر تھے۔حسب اعلان پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کو گراں قدر انعامات سے نوازا گیا۔تفصیل حسب ذیل ہے:

پہلا انعام:	ضیاء الرحمٰن مطیع الرحمٰن	فضیلت سال دوم	10000/-
دوسرا انعام:	احسن جمیل انصاری احمد	فضیلت سال دوم	7000/-
تیسرا انعام:	عبدالعزیز کفایت اللہ	كلية الشريعة سال اول	5000/-
چوتھا انعام:	ابوسفیان عثمان علی	عالمیت سال اول	3000/-
پانچواں انعام:	عبدالقادر مطیع الرحمٰن	عالمیت سال اول	2000/-
چھٹا انعام:	آفتاب احمد شیخ وکیل احمد	كلية الشريعة سال اول	1000/-
ساتواں انعام:	عبدالعلیم ماہر عبدالعزیز	عالمیت سال اول	1000/-
آٹھواں انعام:	شمیم اختر رفیق احمد	فضیلت سال دوم	1000/-
نواں انعام:	خشب الرحمٰن راجا	كلية الحديث سال اول	1000/-
دسواں انعام:	عبدالعزیز محمد یوسف	عالمیت سال اول	1000/-

واضح رہے کہ نمبرات مکرر ہونے کی صورت میں قرعہ اندازی کے ذریعہ پوزیشن کی تعیین کی گئی اور عشرۂ اوائل کے علاوہ تمام کامیاب شرکاء کو تشجیعی انعام دیئے گئے۔

☆☆☆

باب الفتاوی

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ:

(۱) مروجہ بارات کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

(۲) شادی میں مہر کتنی اور کس مناسبت سے متعین ہونی چاہیے؟

الجواب بعون اللہ الوھاب ومنہ الصدق والصواب:

(۱) اولاً: اللہ رب العالمین قرآن کریم کے اندر ارشاد فرماتا ہے: ﴿لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة﴾ (الاحزاب:۲۱) یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذات میں عمدہ نمونہ موجود ہے یعنی آپ کے تمام اقوال وافعال اور احوال میں مسلمانوں کے لئے آپ ﷺ کی اقتداء اور اتباع ضروری ہے چاہے ان کا تعلق عبادت سے ہو یا معاشرت سے، معیشت سے ہو یا سیاست سے زندگی کے ہر شعبہ میں آپ کی ہدایات واجب الاتباع ہے اور اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں: "فإن خير الحديث كتاب الله وخير الهدي هدي محمد صلى الله عليه وسلم" (صحیح مسلم: ۲۰۰۵) یعنی بے شک سب سے اچھی بات اللہ کی کتاب ہے اور سب سے بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے۔

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس تمام انسانوں کے لئے نمونہ ہے اور آپ کا طریقہ سب سے اچھا اور بہتر طریقہ ہے۔ جب معاملہ ایسا ہے تو ہم تمام مسلمانوں کو چاہئے کہ آپ کے طریقہ کو زندگی کے ہر گوشے میں لاگو کریں۔

ثانیاً: شادی بیاہ کے موقع پر اس زمانے میں جس طرح سے بارات کا رواج چل پڑا ہے جس میں کثیر تعداد میں لوگوں کی شرکت ہوتی ہے اور مختلف قسم کی فضولیات ولغویات اور اسراف وتبذیر ہوتے ہیں یہ شرعی اعتبار سے نہایت ہی غلط ہیں۔ عہد نبوی ﷺ اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد سعید میں اس طرح کی مروجہ بارات کا ثبوت نہیں ملتا۔ رسول اکرم ﷺ کے عہد مبارکہ میں بہت سارے صحابہ کرام کی شادیاں ہوئیں کسی نے بھی بارات کا اہتمام نہیں کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ پر زردی کا نشان دیکھا تو فرمایا کہ یہ کیا؟ انہوں نے کہا میں نے ایک عورت سے سونے کی ایک ڈلی کے برابر مہر کے عوض نکاح کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تیرے لئے برکت ڈالے، ولیمہ کرو اگر چہ ایک بکری ہی ہو۔ (مسلم: ۳۴۹۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی شادی کا علم رسول اللہ ﷺ کو اس وقت ہوا جب آپ نے حضرت عبد الرحمٰن پر زعفران کا رنگ دیکھا۔ غور فرمائیں اگر اسلام میں موجودہ زمانہ کی طرح بارات کا تصور ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کو سب سے پہلے بلایا جاتا لیکن اسلام میں ایسی مثال نہیں ملتی کہ نبی یا کسی بھی صحابی کی شادی میں بارات کا اہتمام کیا گیا ہو۔ اسی طرح کائنات کے افضل ترین بندوں میں

سے حضرت علی اور حضرت فاطمہ کی شادی پر نہ بارات کا میلہ اور نہ رسم ورواج کو کوئی دخل۔ حضرت علی اکیلے ہی منگنی کے لئے گئے اور رسول اللہ ﷺ نے حق مہر پوچھ کر اپنی پیاری لخت جگر فاطمہ کا نکاح کر دیا۔ اس لئے اس میں سب سے بہتر اور اسلامی طریقہ یہ ہے کہ جس گھر میں نکاح کا ارادہ ہو وہاں لڑکا پیغام نکاح دے، لڑکی والے (ولی) منظور لرلیں تو جلد نکاح کرلیں، رسم ورواج کا قطعاً انتظار نہ کریں اسی میں خیر وفلاح ہے۔ دلہن کے گھر والوں کا بلاکسی دباؤ، جبر وفرمائش کے لڑکے (دلہا) کے گھر والوں، چند دوست واحباب کو دعوت دے کر بلانا اور ان حضرات کا دلہن کے یہاں آکر کھانا چند شرائط کے ساتھ درست ہے۔ ذیل میں شرائط ملاحظہ فرمائیں:

۱- مروجہ بارات کی شکل نہ ہو۔

۲- اس میں خلاف شرع کوئی کام نہ ہو۔

۳- معاشرے پر اس کا کوئی برا اثر نہ ہو۔

۴- دباؤ ڈال کر یا فرمائش کر کے دعوت نہ لی گئی ہو وغیرہ اور نہ رسم ورواج سے مجبور ہو کر دعوت دی گئی ہو۔ ھذا ما عندی، واللہ أعلم بالصواب۔

(۲) جواب سے پہلے سے چند باتیں جو جواب ہی سے متعلق ہیں ملاحظہ فرمائیں۔ اللہ کے رسول جناب محمد ﷺ نے فرمایا: "خير الصداق أيسره" (صحيح على شرط الشيخين: الارواء، ۶/۳۴۵) یعنی بڑی برکت والا ہے وہ نکاح جو مہر وغیرہ میں آسان ہو۔ معلوم ہوا کہ جو شادی کم محنت اور کم خرچ اور کم مہر والی سادہ اور آسان طریقے پر ہو وہ بڑی سعادت وبرکت والی ہے اور اس بات پر تاریخ بھی شاہد ہے کہ اسلام کی وہ شادیاں جو کھجور، ستو اور قرآن کی چند آیتوں پر ہوئیں وہ ایسی بابرکت ثابت ہوئیں کہ قیصر وکسری کے خزانے ہاتھ آئے اور نصف صدی میں اس نصف دنیا پر اسلامی شان وشوکت کا پرچم لہرانے لگا اس لئے عقد نکاح کے وقت پیش آنے والے ضروری مسائل میں مہر کا مسئلہ بہت اہم ہے اس میں شریعت مطہرہ نے اعتدال اور آسانی رکھی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنے طریقہ عمل سے امت کو یہی تعلیم دی کہ نکاح میں ہلکا اور تھوڑا مہر طے کیا جائے آپ نے کسی نکاح میں زیادہ مہر نہیں باندھا اور نہ اس کا حکم دیا۔ جو لوگ فخر ومباہات اور بڑائی جتانے کے لئے یا عدم ادائیگی کی نیت سے گراں قدر اور بھاری مہر متعین کرتے ہیں وہ اللہ تعالی اور اس کے رسول جناب محمد ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں ایسے نکاح میں خیر وبرکت نہیں ہوتی اور حقیقت میں یہ فخر ومباہات کی چیز ہی نہیں ہے جیسا کہ (سنن ترمذی: ۱۱۱۴) میں موجود حضرت عمر بن خطاب کی اس روایت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے "قال عمر بن الخطاب ألا لا تغالوا صدقة النساء فانها لو كانت مكرمة فى الدنيا أو تقوى عند الله لكان أولاكم بها نبي الله صلى الله عليه وسلم، ما علمت رسول الله صلى الله عليه وسلم نكح من نسائه ولا أنكح شيئا من بناته على أكثر من ثنتى عشرة أوقية" خبردار عورتوں کا مہر زیادہ نہ باندھو کیونکہ بھاری مہر اگر دنیاوی عزت اور اللہ کے نزدیک

تقوی کی چیز ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اس کے لئے تم سب سے مناسب تھے مجھے تو یہی معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیوی اور صاحبزادیوں میں سے کسی کا نکاح بارہ اوقیہ (1,428 گرام) مہر سے زیادہ پر نہیں کیا۔

اب اصل جواب ملاحظہ فرمائیں مذکورہ تفصیلات کی روشنی میں۔

۱- مہر کی مقدار اتنی ہونی چاہئے جو خاوند کے مناسب حال اور اس کی ادائیگی پر شوہر کو قدرت حاصل ہو جیسا کہ صحیح بخاری (۵۱۳۵) سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے۔ صحیح بخاری کے اس حدیث کا ماحصل ملاحظہ فرمائیں۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے ایک نادار صحابی سے جن کے پاس کچھ نہیں تھا فرمایا کہ لوہے کی انگوٹھی ہی ڈھونڈ لاؤ اسی کو مہر ٹھہرا کر تمہارا نکاح کر دیا جائے، ان کے پاس وہ بھی نہیں تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا "أمعك من القرآن شيء قال نعم سورة كذا وسورة كذا" تو آپ نے ان سورتوں کے مہر کے عوض شادی کر دی۔ اس مفہوم کی روایت صحیح بخاری میں کئی مقام پر ہے۔ یہ اور اس معنی ومفہوم کی دیگر روایتوں سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ مہر کا تعلق شوہر کی استطاعت اور ادائیگی سے ہے اس لئے اس کی تعیین بھی شوہر اور اس کے حالات سے آگاہی اور معلومات رکھنے والے کنبہ کے قریب ترین لوگ ہی کریں اور اس بات کا خیال بھی ضروری ہے کہ عورت کی رضا مندی بھی ملحوظ رہے یعنی مہر کی تعیین شوہر کی استطاعت اور بیوی کی رضا مندی سے ہونی چاہئے اس لئے ہر انسان مہر اپنی حیثیت اور طاقت کے مطابق متعین کرے اس لئے کہ مہر کے بارے میں جہاں کم سے کم مہر مقرر کرنے کی روایت آئی ہے وہیں کسی روایت میں ایک لاکھ درہم اور کسی میں چار ہزار درہم اور کسی میں بارہ اوقیہ اور کسی میں اس سے کم کا ذکر ہے۔ جس کو جتنا ادا کرنا آسان ہو وہی مقرر کرے اس میں کسی قسم کی تقیید معلوم نہیں ہوتی اگر چہ حضرت عمر رضی اللہ کے کلام سے مترشح ہوتا ہے کہ مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ نہیں ہونا چاہئے۔ مہر کی ادائیگی شوہر پر ضروری ہے اس کی سخت تاکید آئی ہے اس کی ادائیگی کئی طرح سے ممکن ہے یعنی شوہر مجلس نکاح ہی میں مہر بیوی تک پہنچا دے یا گھر جا کر بیوی سے پہلی ملاقات میں ہی دے دے بہر حال جو بھی صورت ہو اسے ادا کرنا ضروری ہے۔ اللہ رب العالمین کا فرمان ہے: ﴿وآتوا النساء صدقاتهن نحلة فان طبن لكم﴾ (النساء:۴) اور دوسری جگہ اللہ نے فرمایا: ﴿فما استمتعتم به منهن فآتوهن أجورهن فريضة﴾ (النساء:۲۴) اور نبی ﷺ کا ارشاد ہے: "أحق الشروط أن توفوا به ما استحللتم به الفروج" (بخاری:۲۷۲۱) ان تمام نصوص کا ماحصل یہ ہے کہ مہر جو متعین ہوا سے ضروری ادا کرنا چاہیے اگر کوئی ادا نہیں کرتا وہ بہت بڑا گناہ گار ہے الا یہ کہ بطیّب نفس بیوی معاف کر دے۔

دار الإفتاء
جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس

☆☆☆